ڈاکٹر عبادت بریلوی

سحر البیان

ایک تنقیدی مطالعہ

UNIVERSITY OF THE PANJAB

یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

سحرالبیان

(ایک تنقیدی مطالعہ)

ڈاکٹر عبادت بریلوی
پرنسپل

یونیورسٹی اورینٹل کالج ، لاہور

(۱)

ذرا منصفو! داد کی ہے یہ جا
کہ دریا سخن کا دیا ہے بہا

ز بس عمر کی اس کہانی میں صرف
تب ایسے یہ نکلے ہیں موتی سے حرف

جوانی میں جب ہو گیا ہوں میں پیر
تب ایسے ہوئے ہیں سخن بے نظیر

نہیں مثنوی ہے یہ ایک پھلجھڑی
مسلسل ہے موتی کی گویا لڑی

نئی طرز ہے اور نئی ہے زبان
نہیں مثنوی ، ہے یہ سحر البیان

رہے گا جہاں میں مرا اس سے نام
کہ ہے یادگارِ جہاں یہ کلام

میر حسن کی مثنوی سحرالبیان واقعی سحرالبیان ہے - اس میں مثنوی نگاری کے فن کی تقریباً تمام خصوصیات اپنے معراج کمال پر نظر آتی ہیں - اور اس صورت حال نے اس کو اردو کی بہترین مثنوی اور ایک اعلیٰ درجے کی بیانیہ نظم بنا دیا ہے - اس میں ایک عام ، فرسودہ اور مافوق الفطرت کہانی کو جس طرح نظم کے سانچے میں ڈھالا گیا ہے ، کرداروں کی جس طرح زندگی سے بھرپور تصویریں کھینچی گئی ہیں ، اس زمانے کے مخصوص معاشرتی ماحول اور تہذیبی فضا کے جس طرح حقیقت سے لبریز مرقعے تیار کیے گئے ہیں ، انسانیت اور انسانی اقدار کو جس طرح جگہ جگہ ابھار کر پیش کیا گیا ہے ، اور جذبے اور تخیل کے رنگوں کی حسین آمیزش سے فن کی جو گل کاریاں کی گئی ہیں ، ان کے مجموعی تاثر سے آشنا ہونے کے بعد اس مثنوی کے بارے میں میر حسن کے خیالات حرف بہ حرف صحیح معلوم ہوتے ہیں - ان میں تعلّی کا شائبہ تک نہیں ہوتا - برخلاف اس کے پڑھنے والے کو ان کی آواز کے ساتھ آواز ملا کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے واقعی اس مثنوی میں سخن کا دریا بہا دیا ہے - اس کہانی میں انھوں نے ایک عمر صرف کر دی ہے تب کہیں جا کر ان کے قلم سے یہ موتی سے حرف نکل سکے ہیں - انھوں نے اس پر بے اندازہ محنت کی ہے اور اس بے اندازہ محنت ہی نے ان کی اس مثنوی کو مثنویوں میں بے نظیر بنا دیا ہے - یہ مثنوی مثنوی نہیں ، مسلسل موتی کی ایک لڑی بلکہ ایک پھلجھڑی ہے - اس کی شہرت کا آفتاب کبھی گہنا نہیں سکتا - اس کی چمک دمک کبھی ماند نہیں پڑ سکتی - یہ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہے گی اور اس کی یہ دولت اردو شاعری کے افق پر میر حسن کے نام کا ستارہ بھی ہمیشہ ہمیشہ تابندہ رہے گا -

سحرالبیان کا بنیادی موضوع وہ کہانی ہے جس میں بے نظیر اور بدر منیر کی عشقیہ معاملات کی تفصیل و جزئیات کو پیش کیا گیا ہے - لیکن اس کہانی میں ، جہاں تک کہانی کا تعلق ہے ، کوئی خاص بات نہیں ہے - یہ بالکل سیدھی سادی سی کہانی ہے ، جس میں نہ تو ہنگامہ آرائی ہے نہ ہیجان انگیزی ، نہ پیچیدہ اور پر پیچ کیفیت ہے نہ رمزیت اور تہہ داری

ہے ۔ صرف چند سیدھے سادے واقعات ہیں، جن کو نظم کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے اور یہ واقعات بھی عام واقعات نہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ان میں خاصی فرسودگی کا احساس ہوتا ہے اور کسی قسم کی جدت نظر نہیں آتی ۔ اس قسم کے واقعات سے ترتیب دی ہوئی کہانیاں اس زمانے میں اور اس سے قبل بھی اس معاشرے میں بہت عام تھیں ۔ اس لیے میر حسن نے اس کہانی کو اپنی مثنوی کا موضوع بنا کر کوئی نئی بات نہیں کی ۔ لیکن ان کا کمال یہی ہے کہ اس کے باوجود انھوں نے کہانی کو دلچسپ بنایا اور اس میں مجموعی طور پر ایک ایسی فضا پیدا کی کہ اس کو بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے اور ہر بار پڑھنے کے بعد ایک نیا لطف آتا ہے ۔

(۲)

کہانی صرف اتنی سی ہے کہ کسی شہر میں کوئی بادشاہ تھا ۔ اس کی حکومت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی ۔ نہ جانے کتنے بادشاہ اس کو خراج دیتے تھے ۔ وہ صحیح معنوں میں شہنشاہ گیتی پناہ تھا ۔ اس کے حشمت و جاہ اور مال و منال کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا ۔ ہر طرف ہن برستا تھا ۔ دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں ۔ رعیت آسودہ حال تھی ۔ سلطنت میں امن اور عافیت کا دور دورہ تھا ۔ ہنر مندوں کے جمگھٹے تھے ۔ اہل حرفہ کا اژدہام تھا ۔ عیش و عشرت کی گرم بازاری تھی ۔ ظاہر ہے کہ جس بادشاہ کو یہ سب کچھ نصیب ہو اس کو کسی بات کا غم نہیں ہو سکتا ۔ اس بادشاہ کو بھی سوائے اولاد کے غم کے اور کوئی غم نہیں تھا ۔ اس کے دل میں یہ حسرت داغ بن کر رہ گئی تھی کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس کا گھر بے چراغ ہے ۔ یہ احساس بادشاہ کو اداس رکھتا تھا اور ہر وقت اس کو یہی فکر دامن گیر رہتی تھی کہ اس کے بعد اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا ۔

ایک دن جب یہ احساس زیادہ شدید ہوا اور پریشانی حد سے زیادہ بڑھی تو اس نے وزیروں کو بلا کر دل کا احوال بیان کیا ،

اور اس بات کی وضاحت کی کہ زندگی میں اب اس کے لیے کوئی کشش باقی نہیں - اس لیے ترک دنیا کا خیال ہے اور فقر و درویشی کی آرزو ہے - وزیروں نے اس کا حال سنا اور کہا کہ ایک بادشاہ کے لیے ایسا کرنا مناسب نہیں - اس کا کام تو رعیت کی دیکھ بھال ہے اور اس اعتبار سے اس کی ذات ایک امانت ہے - البتہ اولاد کا جو غم ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے - لیکن اس کے لیے ہم منجموں کو بلاتے ہیں اور ان سے قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں - چنانچہ منجموں کو طلب کیا گیا اور بادشاہ کے بارے میں دریافت کیا گیا - انھوں نے یہ خوش خبری سنائی کہ بادشاہ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے - اس کے یہاں جلد ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوگا لیکن بارہ سال تک اس کی حفاظت کی ضرورت ہوگی - کیونکہ اس عرصے میں اسے بعض خطرات سے دوچار ہونا پڑے گا - منجموں کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی اور سال بھر کے اندر بادشاہ کے یہاں ایک نہایت ہی حسین و جمیل بیٹا پیدا ہوا - بادشاہ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی - گویا اس کی خزاں رسیدہ زندگی میں بہار آگئی - جشن منایا گیا - شادیانے بجائے گئے - ایک باغ تیار کیا گیا اور اس میں ایک خاص محل شہزادے کے لیے تعمیر کیا گیا - صرف اس خیال سے کہ وہ بارہ سال تک اس محل کے اندر تہہ خانے میں رہے - چنانچہ اس محل میں وہ شہزادہ ، بارہ برس کی عمر تک رہا - اس عرصے میں اس نے تمام ہنر سیکھے اور ہر فن میں کمال حاصل کیا -

جب اس نے اپنی زندگی کی بارہ منزلیں طے کر لیں تو ایک رات جب کہ نہایت خوب صورت چاندنی چاروں طرف چھٹکی ہوئی تھی ، اس کے دل میں چھت پر سونے کی خواہش پیدا ہوئی - خواصوں نے بادشاہ سے اجازت طلب کی - بادشاہ نے یہ سمجھ کر کہ بارہ برس تو پورے ہو ہی چکے ہیں ، اور اب کسی خطرے کا امکان نہیں ہے ، اس کو چھت پر چاندنی میں سونے کی اجازت دے دی - اس کو یہ خیال نہ رہا کہ ابھی بارہ برس پورے ہونے میں چند گھڑیاں باقی ہیں - بہرحال شہزادہ رات کو چھت پر سویا - اتفاق سے اسی رات کو ادھر سے پرستان کی پری ماہ رخ کا گزر ہوا - اس نے اس پرفضا منظر میں جب حسین و جمیل شہزادے

کو سوتا ہوا دیکھا تو دل و جان سے اس پر فریفتہ ہوگئی - طبیعت پر قابو نہیں رہا اور اس کو محل سے اڑا کر پرستان میں لے آئی - صبح کو جب بادشاہ کو اس کا علم ہوا تو اس نے اپنا سر پیٹ لیا - محل میں کہرام مچ گیا - ساری سلطنت پر اداسی اور سوگواری کے بادل چھا گئے- تلاش و جستجو کا سلسلہ شروع ہوا - شہروں کا تو کہنا ہی کیا ، صحرا اور جنگل تک لوگوں نے چھان مارے لیکن شہزادے کا کہیں سراغ نہ ملا - ملتا بھی کیسے؟ شہزادہ تو پرستان میں پہنچ چکا تھا اور ماہ رخ پری اس کو اپنے شیشے میں اتارنے کی کوشش کر رہی تھی -

شہزادہ اس عالم میں پریشان تھا - پریشانی کی بات تھی بھی - کیونکہ آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اپنے محل کے بجائے پرستان کے اجنبی ماحول میں پایا ، جہاں آدم نہ آدم زاد ، سوائے خدا کی ذات - چاروں طرف دیو اور پریوں کے سوا کچھ اور نظر ہی نہ آتا تھا - شہزادہ یہ دیکھ کر بہت گھبرایا اور اس نے گریۂ و زاری شروع کی - ماہ رخ پری نے اس کا دل ہاتھوں میں لیا - بہت سمجھایا بجھایا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا- اس نے لاکھ کہا کہ یہ گھر تیرا ہی ہے ، تو یہاں مہمان ہے ، یہاں تجھے ہر طرح کی راحت اور آرام نصیب ہے - لیکن شہزادے کو اس کی باتوں سے ذرا بھی تسلی نہیں ہوئی - بلکہ روز بروز اس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا گیا - پری نے اس کو لبھانے کی جتنی کوششیں بھی کیں وہ سب کی سب بےکار ثابت ہوئیں - بالآخر اس نے یہ سوچا کہ شہزادے کا دل سیر و تفریح سے بہلانا چاہیے - چنانچہ اس نے اسے ایک جادو کا گھوڑا دیا جس میں بیٹھ کر وہ جہاں بھی جی چاہے جا سکتا تھا - لیکن ساتھ ہی یہ عہد بھی لیا کہ وہ کبھی کسی اور سے دل نہیں لگائے گا اور معینہ وقت پر بہرصورت اس کی واپسی پرستان میں ہوگی - شہزادے نے پری کی یہ تمام باتیں مانیں اور اس گھوڑے پر سیر کے لیے جانا شروع کیا - چند روز میں دور دور تک گھومنا اور ملکوں ملکوں کی سیر کرنا اس کا معمول بن گیا -

اتفاق سے ایک دن اس کا گزر ایک نہایت ہی سہانے باغ میں ہوا -

اس باغ میں اس نے ایک سفید عمارت دیکھی ۔ منظر نہایت حسین اور دل آویز تھا ۔ ہر طرف چاندنی چھٹکی ہوئی تھی ۔ اس منظر کو دیکھ کر اُس کے دل میں اس خواہش نے انگڑائی لی کہ ذرا گھوڑے سے اتر کر اس باغ کی سیر کرنا چاہیے ۔ چنانچہ گھوڑے کو اس باغ میں اتارا اور وہاں کے پرفضا منظر سے لطف اندوز ہونے لگا ۔ یہ باغ دراصل شہزادی بدر منیر کے محل کا باغ تھا اور اس وقت وہ بھی اپنی ہم جولیوں کے ساتھ تفریح کے لیے باہر نکلی تھی ۔ شہزادے نے اس کو دیکھا ، اس کی نظر شہزادے پر پڑی اور وہ دونوں دیکھتے دیکھتے ایک دوسرے کے عشق میں پابہ زنجیر ہوگئے ۔ شہزادی کو غش آ گیا ۔ خواصیں بڑی مشکل سے اس کو ہوش میں لائیں ۔ دونوں کی ملاقات ہوئی لیکن شہزادہ دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے جلد ہی رخصت ہوا ۔ اس واقعے کے بعد روزانہ اس باغ میں آنا ، شہزادی بدر منیر سے ملنا ، محبت کی باتیں کرنا اور محبوب کے وصل سے لطف اندوز ہونا اس کا معمول ہوگیا ۔

ایک دن وہ دونوں محو اختلاط تھے کہ ایک دیو ادھر سے گزرا ۔ اس نے شہزادے کو اس عالم میں دیکھا اور ماہ رخ پری کو اس کی خبر کی ۔ پری یہ سن کر آگ بگولہ ہوگئی ، رشک کی آگ سے جلنے لگی اور شہزادے کو اس نے ایک اندھے اور گہرے کنویں میں قید کر دیا ۔ جب شہزادہ کئی روز تک بدر منیر کے پاس نہیں گیا تو اس کی (یعنی بدر منیر) حالت خراب ہونے لگی ۔ کھانا پینا ترک کر دیا اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلی ۔ ایک رات اس نے خواب میں شہزادے کو پریشان دیکھا اور اس کا ذکر اپنی ہم‌جولیوں سے کیا ۔ اس کی ایک سہیلی وزیر کی بیٹی نجم‌النساء تھی ۔ نہایت شوخ و شنگ لیکن حد درجہ مخلص اور وفا شعار ۔ جب اس نے شہزادی کا یہ حال دیکھا تو وہ جوگن کا بھیس بدل کر شہزادے کی تلاش میں نکلی اور شہروں شہروں ماری ماری پھری ۔ صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھانی ۔ ایک رات ، کہ نہایت ہی حسین چاندنی رات تھی ، اس نے ایک جنگل میں بسیرا کیا ۔ جوگنوں کی طرح بیٹھ کر تنہا بین بجا رہی تھی کہ اتفاق سے اسی وقت

ادھر سے جنوں کے بادشاہ کے بیٹے فیروز شاہ کا گزر ہوا - اس نے جوگن کو جو اس حال میں دیکھا اور اس کی بین کا نغمہ سنا تو دل و جان سے اس پر فریفتہ ہوگیا - اظہار عشق کی تو اس میں ہمت نہیں تھی - اس لیے نجم النساء کے سامنے اس نے رونا شروع کیا اور اس طرح نجم النساء پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ شہزادہ اس کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو چکا ہے - نجم النساء نے اس کو بتایا کہ وہ شہزادہ بے نظیر کی تلاش میں ہے - اگر وہ اس کام میں اس کی مدد کرنے کو تیار ہو تو اس کی مراد بھی بر آئے گی - فیروز شاہ جوگن کو پرستان میں لے گیا - جنوں کے بادشاہ کے سامنے اس کو پیش کیا - نجم النساء نے اس کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کیا - بادشاہ اس سے بہت متاثر ہوا - سارے پرستان میں دھوم مچ گئی -

ادھر فیروز شاہ نے شہزادے کی تلاش و جستجو کا کام جاری رکھا - دیو کی مدد سے اسے اس بات کا علم ہوا کہ ماہ رخ پری نے شہزادے کو ایک اندھے کنویں میں قید کر رکھا ہے - یہ خبر ملتے ہی وہ نجم النساء کو ساتھ لے کر اس مقام پر پہنچا - کنویں پر جو بھاری پتھر رکھا ہوا تھا ، اس کو دیو کی مدد سے ہٹایا اور شہزادے کو باہر نکال لایا - ماہ رخ پری رسوائی کے خیال سے کچھ نہ کہہ سکی - نجم النساء نے شہزادے کا حال احوال پوچھا اور وہ سب شہزادی بدر منیر کے محل کی طرف روانہ ہوئے - وہاں پہنچ کر بدر منیر کے باپ کو شادی کے لیے رقعہ لکھا گیا - بادشاہ نے اس رشتے کو منظور کیا - دونوں کی شادی بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے ہوئی - اس کے بعد نجم النساء نے بھی اپنا وعدہ وفا کیا اور فیروز شاہ سے شادی کر لی - پھر سب مل کر شہزادہ بے نظیر کے وطن کی طرف روانہ ہوئے - شہر میں داخل ہونا تھا کہ یہ خبر آندھی کی طرح پھیل گئی کہ شہزادہ بے نظیر واپس آ گیا ہے - رعیت خوش ہوئی ، خلقت نے شادیانے بجائے اور ماں باپ کو تو گویا ان کی کھوئی ہوئی دنیا مل گئی - بیٹے اور بہو کو گلے لگایا - شادی کی رسم ایک بار پھر منائی گئی - خوب جشن ہوئے اور شادیانے بجائے گئے - اس طرح ایک دفعہ پھر قدرت نے بچھڑے ہوؤں کو ملایا اور وہ سب اطمینان اور چین سے زندگی کے دن گزارنے لگے -

(۳)

یہ کہانی، ظاہر ہے کہ ایک عام سی کہانی ہے۔ یہ تمام تر میرحسن کے ذہن کی پیداوار اور ان کے تخیل کی تخلیق نہیں ہے۔ اس قسم کی کہانیاں اس معاشرے میں عام تھیں اور لوگ ان کہانیوں میں دلچسپی لیتے تھے۔ مختلف مثنویوں اور کہانیوں میں ایسی کہانیوں کا عام رواج تھا۔ اس لیے میر حسن نے اس عام کہانی کو اپنی اس مثنوی کا موضوع بنا کر کوئی خاص جدت نہیں کی۔ لیکن ان کا کمال یہی ہے کہ انھوں نے اس فرسودہ کہانی میں بھی دلچسپی پیدا کی اور دلچسپی بھی ایسی جو شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ میر حسن نے اس کہانی کے عام واقعات کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ اس میں مجموعی طور پر بڑی حد تک وہ خصوصیت پیدا ہوگئی ہے جو عام طور پر کسی کہانی کے پلاٹ میں ہوتی ہے۔ اس پلاٹ کا سارا حسن ان مختلف واقعات کے بیان میں ہے جن سے میر حسن نے اپنی کہانی کا تانا بانا تیار کیا ہے۔ یہ واقعات آپس میں مربوط ہیں۔ ان میں ایک منطقی تسلسل ہے۔ ان کی نظم و ترتیب کچھ ایسی ہے کہ مجموعی طور پر ان میں دل کشی کا احساس ہوتا ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ وہ توازن ہے جس کا دامن میر حسن نے کسی حال میں بھی نہیں چھوڑا ہے۔ اسی لیے اس کہانی میں کسی جگہ بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا اور نا مانوس فضا نظر نہیں آتی۔ ساری کہانی اور اس کے تمام واقعات چند اخلاقی اور جذباتی اقدار کے گرد گھومتے ہیں۔ گویا یہی کہانی کا بنیادی محور ہیں۔ اسی لیے کہانی میں انسانیت اور انسان دوستی کے تصورات ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس کہانی کا خاصا حصہ مافوق‌الفطرت عناصر پر مشتمل ہے لیکن میر حسن نے ان مافوق‌الفطرت باتوں کو بھی کچھ ایسا انسانی رنگ و آہنگ دیا ہے کہ وہ واقعیت سے قریب معلوم ہوتے ہیں اور ان میں بھی انسانی اقدار کا بول بالا نظر آتا ہے۔ اس کہانی کے مختلف واقعات میں ایک واضح نقطہ نظر بھی موجود ہے اور اس نقطہ نظر کی بنیاد بھی اسی انسانیت اور

انسان دوستی پر استوار ہے - میر حسن کے سماجی شعور نے بھی اس کہانی میں بڑی جان پیدا کی ہے - جن واقعات پر یہ کہانی مشتمل ہے، ان سب میں اس زمانے کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کی تصویریں اپنا جلوہ دکھاتی ہیں - تفصیل و جزئیات کا بیان اس کہانی کا بڑا اہم پہلو ہے اور اس تفصیل و جزئیات نے کہانی میں ایک حسیاتی شان پیدا کی ہے لیکن پہلودار کیفیت کا خاتمہ نہیں کیا ہے - جگہ جگہ اس کہانی میں خاصی تہیں ملتی ہیں اور انہیں تہوں کی بدولت کہانی میں تجسس کا عنصر بہر صورت برقرار رہتا ہے - سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ تمام باتیں کرداروں کی مرہون منت ہیں - میر حسن نے کرداروں کو بہت نمایاں کر کے پیش کیا ہے - بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ کہانی کی پوری عمارت کرداروں ہی کے سہارے تعمیر کی ہے - کرداروں کی تفصیل اس کہانی میں پہلے بیان ہوتی ہے اور پھر واقعات انہیں کرداروں کی حرکات و سکنات کے نشیب و فراز کا روپ اختیار کرتے ہیں -

اس مثنوی میں صرف چند اہم واقعات ہیں اور انہیں واقعات کے مجموعی امتزاج سے کہانی کا بنیادی ڈھانچہ تیار کیا گیا ہے - سب سے پہلے بادشاہ سامنے آتا ہے جو اس اعتبار سے مجبور اور معذور ہے کہ اس کے پاس دولت اور جاہ و حشمت سب کچھ موجود ہے لیکن اولاد نہیں جس سے اس کا نام آگے چل سکے اور اس کی سلطنت اور حکومت برقرار رہے - اس خیال سے وہ آزردہ ہوتا ہے اور ترک دنیا میں پناہ ڈھونڈتا ہے - لیکن اس کے مشیر آڑے آتے ہیں اور نجومیوں کو بلا کر اس کو یہ خوش خبری سناتے ہیں کہ اس کے یہاں اولاد ضرور ہوگی، چنانچہ جلد ہی ایک چاند سا بیٹا پیدا ہوتا ہے - لیکن وہ پیشن گوئی کے مطابق بارہ برس کی عمر میں زبردست خطرے سے دوچار ہوتا ہے - ایک پری اس پر عاشق ہوکر اس کو اڑا لے جاتی ہے - وہ پرستان میں پہنچتا اور پری کی خاطر و مدارات کے باوجود زندگی سے بیزار رہتا ہے - بالآخر وہ پری اس کو ایک ایسا گھوڑا دیتی ہے جس پر وہ آسمانوں میں سیر کر سکتا ہے - چنانچہ دور دور سیر کے لیے جاتا ہے - ایک دن کسی محل کے باغ

میں اس کی نظر شہزادی بدر منیر پر پڑتی ہے اور وہ اس پر فریفتہ ہو جاتا ہے - ملاقاتیں ہوتی ہیں - چند روز اسی طرح گزرتے ہیں لیکن دیو کے ذریعے سے پری کو شہزادے کے اس عشق کا علم ہو جاتا ہے - وہ اس کو قید کر دیتی ہے - ادھر شہزادی کا اس کے ہجر میں برا حال ہوتا ہے - اس کی سہیلی نجم النساء اس کے حال زار کو دیکھ کر شہزادے کی تلاش میں نکلتی ہے - راستے میں اس کو جنوں کے بادشاہ کا بیٹا فیروز شاہ ملتا ہے اور اس پر عاشق ہو جاتا ہے - اس کی مدد سے وہ شہزادے کا سراغ لگاتی ہے - نجم النساء فیروز شاہ سے شادی کر کے اپنے وعدے کو پورا کرتی ہے اور پھر بے نظیر اور بدر منیر کا ملاپ ہوتا ہے اور بالآخر شادی ہو جاتی ہے -

یہ تمام واقعات ایک دوسرے کے ساتھ پوری طرح مربوط اور ہم آہنگ ہیں - ان میں سے کوئی واقعہ بے کار اور بے مقصد نہیں ہے - یہی وجہ ہے کہ ان واقعات میں سے اگر کسی ایک واقعے کو بھی نکال کر الگ کر لیا جائے تو کہانی میں تسلسل باقی نہیں رہتا اور اس کی ارتقائی کیفیت ختم ہو جاتی ہے - میر حسن نے صرف ضروری واقعات کو اپنے پیش نظر رکھا ہے اور ان کو یک جا کر کے کہانی میں مجموعی طور پر ایک وحدت پیدا کی ہے - ان واقعات میں کہیں کوئی کھانچا نظر نہیں آتا - برخلاف اس کے شروع سے آخر تک ایک ہم آہنگی کی کیفیت نظر آتی ہے - سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بعض واقعات طویل اور بعض مختصر ہیں لیکن ان میں کہیں بھی ان مل اور بے جوڑ ہونے والی کیفیت پیدا نہیں ہوتی - یہ واقعات تو ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اور ان میں ایک متوازن کیفیت نظر آتی ہے - اسی تناسب اور توازن نے ان کو آپس میں مربوط بھی کیا ہے اور ان میں مجموعی طور پر ایک منطقی تسلسل کی وہ خصوصیت بھی پیدا کر دی ہے جو مثنوی کے فن کی جان ہے -

یہ واقعات انسانی زندگی کے بعض بنیادی حقائق کے گرد گھومتے ہیں - اس لیے ان میں ہر جگہ واقعیت کا احساس ہوتا ہے اور یہ زندگی سے زیادہ

قریب نظر آتے ہیں ۔ بادشاہ کے پاس سب کچھ موجود ہے لیکن اس کے باوجود وہ مجبور محض ہے ۔ اس مجبوری کو وہ شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہے اور زندگی سے علیحدگی اختیار کر لینے کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں ۔ لیکن زیادہ عرصہ نہیں گزرتا کہ اس کی خزاں رسیدہ زندگی میں بہار آ جاتی ہے اور کشت امید لہلہا اٹھتی ہے ۔ اس کا دلی مقصد پورا ہوتا ہے اور اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی ۔ لیکن پھر اس پر غم کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں ۔ وہ شاخ ہی باقی نہیں رہتی جس پر اس کی مسرتوں کا آشیانہ تعمیر ہوا تھا ۔ اس کا نور نظر اور لخت جگر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے ۔ ماہ رخ پری جو شہزادے پر عاشق ہو کر اس کو وہاں سے اڑا لے جاتی ہے اس کی زندگی میں بھی محرومیاں ہیں ۔ وہ محرومیوں کے اس خلا کو بے نظیر کی محبت سے پر کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن انجام کار اس کا حال بھی عام انسانوں کا سا ہوتا ہے ۔ وہ جو کچھ چاہتی ہے وہ نہیں ہوتا ۔ اس کی آرزوؤں کی تمام عمارتیں منہدم ہو جاتی ہیں ۔ ایک عام عورت کی طرح رشک اور نفرت کے جذبات کا اظہار اس کی طرف سے ضرور ہوتا ہے لیکن انسانی فطرت کے سامنے اس کی کچھ پیش نہیں جاتی ۔ بے نظیر بدر منیر کی محبت کو کسی حال میں بھی خیرباد کہنے کے لیے تیار نہیں ہوتا ۔ وہ قید و بند کی مصیبتوں کو اٹھانا گوارا کرتا ہے لیکن عشق کی جو شمع اس کے دل میں فروزاں ہے اس کو بجھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا ۔ اس کے عشق میں نوجوان اور صحت مند انسانوں کے عشق کی طرح صداقت اور استواری ہے ۔ وہ اس عشق میں والہانہ جذب و شوق کا اظہار کرتا ہے ۔ اس کی محبوبہ بدر منیر اس جذب و شوق کے اظہار میں اس سے پیچھے نہیں ۔ یہ عنفوان شباب کی نفسیات کا تقاضا ہے ۔ وہ اس کے فراق میں تڑپتی ہے اور اس کے بغیر زندگی سے بیزار ہو جاتی ہے ۔ اس کا جذب و شوق اس منزل پر پہنچ گیا ہے ، جہاں وہ دونوں ایک جان دو قالب ہوگئے ہیں ۔ اس کا محبوب جن پریشانیوں میں مبتلا ہے اس کا علم سب سے پہلے اس کو ہوتا ہے اور اس سلسلے میں اس کی مخصوص وجدانی کیفیت اس علم کو بہم پہنچانے کا ذریعہ اور وسیلہ بنتی ہے ۔ نجم النساء ایک شوخ اور شریر

سی لڑکی ہے لیکن اپنی دوستی میں پختہ ہے وہ بدر منیر کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا کر بے نظیر کی تلاش میں نکلتی ہے - جوگن بن کر جنگلوں اور ویرانوں کی خاک چھانتی ہے اور بالآخر فیروز شاہ کی مدد سے اس کو تلاش کر لیتی ہے - لیکن اس کام میں اس کو اپنا سب کچھ لٹا دینا پڑتا ہے - یہاں تک کہ وہ اپنی پوری زندگی کو ایک غیر انسان یعنی جن کے سپرد کر دیتی ہے - ظاہر ہے کہ ایک انسان کا جن کے ساتھ شادی کرنا انسانی زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے - یہ اور بات ہے کہ خود جنوں کے بادشاہ کا بیٹا فیروز شاہ بے شمار انسانی خصوصیات کا مالک ہے - وہ نجم النساء کے سامنے اظہار عشق تک کرنے کی جرأت نہیں کرتا - وہ تو صرف روتا ہے اور رونے کے اس عمل سے اس کی جذباتی کیفیت ظاہر ہوتی ہے - وہ کبھی بھی اپنی مافوق الفطرت صلاحیتوں سے کام نہیں لیتا - برخلاف اس کے شروع سے آخر تک ایک عام اور معمولی انسان کی طرح اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے - نجم النسا عجیب و غریب منزلیں طے کر کے بے نظیر اور بدر منیر کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے اور اس طرح مثنوی کا خاتمہ بخیر و خوبی ہوتا ہے - زندگی کے بے شمار المیوں کے بعد اس میں طربیہ پہلو نمایاں ہوتے ہیں اور یہ بھی انسانی زندگی کی ایک عام حقیقت ہے -

غرض میرحسن نے اس مثنوی میں انسانی زندگی کے بنیادی معاملات کو ہر جگہ نمایاں کیا ہے اور اس طرح انسانی فطرت کی اہمیت واضح کی ہے - اس زندگی میں حسن اور جذبے کی جو اہمیت ہے ، محبت اور اخلاص مندی کی جو قدر و قیمت ہے ، ایثار اور قربانی کی جو حیثیت ہے ، اس کو انھوں نے مختلف زاویوں سے پیش کیا ہے اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وہ انسانی زندگی کو سمجھتے ہیں اور اس کی بنیادی اقدار کا صحیح احساس و شعور رکھتے ہیں - سحرالبیان میں انھوں نے جو مختلف واقعات پیش کیے ہیں ان میں انھیں انسانی اقدار کو ابھارا ہے اور اس طرح جگہ جگہ اپنے نقطۂ نظر اور نظریہ حیات کی وضاحت کی ہے - ظاہر ہے کہ اس کا اظہار اس مثنوی میں براہ راست نہیں ہوا ہے - شاید

اس زمانے میں اس کا اظہار براہ راست ہو بھی نہیں سکتا تھا - کیونکہ اس وقت اس کی کوئی جان دار روایت موجود نہیں تھی - لیکن میر حسن نے بالواسطہ طور پر جگہ جگہ ان انسانی اقدار کو نمایاں کیا ہے ، اور یہ صورت حال اس مثنوی کی کہانی اور اس کے پلاٹ کی بہت بڑی خوبی بن گئی ہے -

(۴)

اس سلسلے میں سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑتی ہے وہ انسانی زندگی کے ساتھ محبت ہے - وہ بادشاہ جو اولاد سے محروم ہے جب اولاد کی خواہش ظاہر کرتا ہے تو گویا انسانی زندگی سے محبت کا اظہار کرتا ہے - ایک لمحے کو اس کے یہاں ترک دنیا کے خیالات ضرور پیدا ہوتے ہیں - لیکن جب اس کو احساس دلایا جاتا ہے کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتا ہے انسانیت کے منافی ہے تو وہ اس خیال کو ترک کر کے زندگی سے ایک بار پھر دل لگاتا ہے - حالات بھی اس کی مدد کرتے ہیں اور اس کی آرزو پوری ہوتی ہے - پری جب شہزادہ بے نظیر کے عشق میں گرفتار ہوتی ہے اور بے قابو ہو کر اس کو پرستان میں لے جاتی ہے تو پری ہونے کے باوجود وہ ایک انسانی جذبے کا اظہار کرتی ہے - یہ اور بات ہے کہ اس کی یہ حرکت انسانی نہیں ہے - شہزادہ بے نظیر جب گھوڑے پر سوار ہو کر دنیا کی سیر کرتا پھرتا ہے اور شہزادی بدرمنیر کو دیکھ کر اس کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے تو گویا زندگی سے اپنے لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے - نجم‌النساء جب جوگن بن کر شہزادے کی تلاش میں نکلتی ہے تو اس کا یہ اقدام بھی انسانی زندگی کی بعض اہم اقدار ، یعنی محبت ، دوستی ، اخلاص اور قربانی سے اس کی والہانہ وابستگی کو ظاہر کرتا ہے - فیروز شاہ جب نجم‌النساء کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کے سامنے اظہار عشق کرتا ہے تو اس کے اس عمل سے انسانی زندگی کی محبت صاف ظاہر ہوتی ہے - بے نظیر اور بدر منیر اور فیروز شاہ اور نجم‌النساء کی شادیاں بھی انسانی زندگی کی بعض بنیادی اقدار کی وضاحت کرتی ہیں - غرض اس طرح ساری مثنوی میں ایک انسانی فضا کا احساس ہوتا

ہے اور اس فضا سے میر حسن کے انسانی زاویہٴ نظر پر روشنی پڑتی ہے -

میر حسن نے جہاں کہیں اس مثنوی میں فطرت کے حسن کے ساتھ انسان کے حسن اور اس کے جذب و شوق کی کیفیت کو واضح کیا ہے وہاں ان کی انسانیت پرستی اور انسان دوستی کے نقطہٴ نظر کی وضاحت بھرصورت ہوتی ہے ، اور اس حقیقت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے انھیں کتنی دلچسپی تھی - مثلاً اس مثنوی میں مناظر فطرت اور خصوصیت کے ساتھ ان مناظر کے لطیف پہلوؤں کا بیان بڑی شد و مد سے ہوا ہے - میر حسن نے کہانی کے ہر واقعے کو پیش کرتے ہوئے پہلے مناظر فطرت کی مصوری کی ہے اور ان کی اس مصوری نے کہانی کے مختلف واقعات کے لیے پس منظر کا کام کیا ہے - اس پس منظر میں ان واقعات کے خد و خال نسبتاً زیادہ نمایاں ہوتے ہیں اور ان میں زیادہ دل کشی اور دل آویزی بھی پیدا ہو جاتی ہے -

اس مثنوی میں سب سے پہلے مناظر فطرت کا بیان وہاں ملتا ہے جہاں شہزادہ بے نظیر کے تولد ہونے کے بعد محل کی تعمیر کے سلسلے میں باغ کی تیاری ہوتی ہے - اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے میر حسن لکھتے ہیں :

زمیں کا کروں واں کی کیا میں بیاں
کہ صندل کا تھا ایک تختہ عیاں

بنی سنگ مرمر کی چوپڑ کی نہر
گئی چار سو اس کے پانی کی لہر

قرینے سے گرد اس کے سروِ سہی
کچھ اک دور دور اس سے سیب و بہی

کہوں کیا میں کیفیت دار بست
لگائے رہیں تاک واں سے پرست

ہوائے بہاری سے گل لہلہے
چمن سارے شاداب اور ڈہڈ ہے

زمرد کے مانند سبزے کا رنگ
روش پر جواہر لگے جیسے سنگ

روش کی صفائی پہ بے اختیار
گل اشرفی نے کیا زر نثار

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
کہیں نرگس و گل کہیں یاسمن

چنبیلی کہیں اور کہیں موتیا
کہیں رائے بیل اور کہیں موگرا

کھڑے شاح شبو کے ہر جانشان
مدن بان کی اور ہی آن بان

کہیں ارغوان اور کہیں لالہ زار
جدی اپنے موسم میں سب کی بہار

کہیں جعفری اور گیندا کہیں
سماں شب کر داؤدیوں کا کہیں

عجب چاندنی میں گلوں کی بہار
ہر اک گل سفیدی سے مہتاب زار

کھڑے سرو کی طرح چنبے کی جھاڑ
کہے تو کہ خوشبوئیوں کے پہاڑ

کہیں زرد نسرین کہیں نسترن
عجب رنگ پر زعفرانی چمن

پڑی آب جو ہر طرف کو بہے
کریں قمریاں سرو پر چہچہے

گلوں کا لبِ نہر پر جھومنا
اسی اپنے عالم میں منہ چومنا

وہ جھک جھک کے گرنا خیاباں پر
نشے کا سا عالم گلستان پر

کھڑے شاخ در شاخ باہم نہال
رہیں ہاتھ جوں مست گردن میں ڈال

لب جو پہ آئینے میں دیکھ قد
اکڑنا کھڑے سرو کا جد نہ قد

خراماں صبا صحن میں چار سو
دماغوں کو دیتی ہر اک گل کی بو

چمن آتشِ گل سے ڈھکا ہوا
ہوا کے سبب باغ مہکا ہوا

اور پھر جب شہزادہ بے نظیر بارہویں سال میں باہر محل کی چھت پر سونے کی خواہش ظاہر کرتا ہے تو چاندنی کا حسین منظر ہی اس کو ایسا کرنے پر اکساتا ہے اور پری جو اس پر عاشق ہوتی ہے ، اس میں بھی چاند اور چاندنی کے ہاتھوں پیدا ہونے والی رومانی فضا کا خاصا ہاتھ ہے - اسی لیے میر حسن نے اس کی بڑی ہی دل موہ لینے والی تصویریں کھینچی ہیں :

قضا را وہ شب تھی شب چاردہ
پڑا جلوہ لیتا تھا ہر طرف مہہ

نظارے سے تھا اس کے دل کو سرور
عجب عالم نور کا تھا ظہور

عجب لطف تھا سیر مہتاب کا
کہے تو کہ دریا تھا سیماب کا

ہوا شاہزادے کا دل بے قرار
یہ دیکھی جو واں چاندنی کی بہار

اور جس وقت بے نظیر جادو کے گھوڑے پر سوار ہو کر بدر منیر کے باغ میں پہنچتا ہے اس وقت بھی کم و بیش ایسا ہی منظر ہے۔ باغ ہے۔ جاڑوں کی آمد آمد ہے۔ فضا میں ہلکی ہلکی خنکی ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ دور دور تک چاندنی چھٹکی ہوئی ہے۔ میر حسن نے اس منظر کو بھی مزے لے لے کر بیان کیا ہے:

سنو ایک دن کی یہ تم واردات
اٹھا سیر کو بے نظیر ایک رات

ہوا ناگہاں اس کا اک جا گزر
سہانا سا اک باغ آیا نظر

سفید ایک دیکھی عمارت بلند
کہ تھی نور میں چاندنی سے دو چند

وہ چھٹکی ہوئی چاندنی جا بجا
وہ جاڑے کی آمد وہ ٹھنڈی ہوا

وہ نکھرا فلک اور وہ مہ کا ظہور
لگا شام سے صبح تک وقت نور

یہ عالم جو بھایا تو کوٹھے پہ آ
اتر اپنے گھوڑے سے اور سر جھکا

لگا جھانکنے اس مکان کے تئیں
کہ دیکھوں تو یاں کوئی ہے یا نہیں

جو دیکھا تو ایسا کچھ آیا نظر
کہ سب کچھ گیا اس کے جی سے اتر

کہا جی سے اب تو جو کچھ ہو سو ہو
ذرا چل کے اس سیر کو دیکھ لو

یہ کہہ نیچے آترا دبے پاؤں وہ
نظر سے بچائے ہوئے چھاؤں وہ

الگ کھولے ہاتھوں سے واں کے کواڑ
چلا سایہ سایہ درختوں کی آڑ

تھے اک طرف گنجان باہم درخت
کہ لپٹے ہوں جس طرح مشتاق سخت

لگاواں سے چھپ چھپ کے کرنے نظر
درختوں سے جوں ماہ ہو جلوہ گر

جو دیکھی تو صحبت عجب ہے وہاں
عجب چاندنی ہے عجب ہے سماں

یہاں سارا زور چاند ، چاندنی درخت اور باغ کے سہانے سماں پر ہے - اس منظر میں بے نظیر کی رومان انگیز شخصیت کے خدو خال کچھ زیادہ وہ ہی ابھرتے ہیں اور جب نجم النسا جوگن بن کر شہزادہ بے نظیر کی تلاش میں نکلتی ہے اور ایک جنگل میں اس کا بسیرا ہوتا ہے - وہاں وہ دھونی رماتی اور کدارا بجاتی ہے تو اسی عالم میں فیروز شاہ وہاں آتا ہے اور نجم النسا پر دل و جان سے فریفتہ ہو جاتا ہے - اس رومانی منظر کی بھی میر حسن نے نہایت ہی حسین مصوری کی ہے - یہاں بھی جنگل کا بیان ہے ، چودھویں رات کے چاند اور چاندنی کی تصویر کشی ہے ، نور کے سیلاب کی مصوری ہے :

قضا را سہانا سا اک دشت تھا
گہ اک شب ہوا اس کا واں بسترا

وہ تھی اتفاقاً شب چار دہ
ادا سے وہ بیٹھی وہاں رشک مہ

بچھی ہر طرف چادر نور تھی
یہی چاندنی اس کو منظور تھی

بچھا مرگ چھالے کو اور لے کے بین
دو زانو سنبھل کر وہ زہرہ جبیں

کدارا بجانے لگی شوق میں
لگی دست و پا مارنے ذوق ہیں

کدارا یہ بجنے لگا اس کے ہاتھ
کہ مہ نے کیا دائرہ لے کے ساتھ

بندھا اس طرح کا جو اس جا سماں
صبا بھی لگی رقص کرنے وہاں

وہ سنسان جنگل وہ نور قمر
وہ براق سا ہر طرف دشت و در

وہ اجلا سا میداں چمکتی سی ریت
آگا نور سے چاند تاروں کا کھیت

درختوں کے پتے چمکتے ہوئے
خس و خار سارے چمکتے ہوئے

درختوں کے سائے سے مہ کا ظہور
گرے جیسے چھلنی سے چھن چھن کے نور

غرض سحر البیان میں میر حسن نے اس قسم کے مناظر کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے - اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میر حسن فطرت کے حسن اور مناظر کی دلاویزی سے والہانہ لگاؤ رکھتے تھے - انھوں نے اپنی اس مثنوی میں ان مناظر کی مصوری سے بڑا کام لیا ہے - ان مناظر سے انھوں نے مثنوی میں ایک رومانی فضا ضرور قائم کی ہے لیکن اس رومانی فضا میں بھی انھوں نے انسانی زندگی کے خد و خال کو نمایاں کیا ہے - انسانوں کی حرکات و سکنات کے بغیر وہ ان مناظر کو پیش نہیں کرتے - اس لیے کہ ان کے نزدیک ان مناظر کے حسن کا انسانوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے - مناظر فطرت سے اس نوعیت کی دلچسپی ان کی انسانیت اور انسان دوستی پر دلالت کرتی ہے -

(۵)

مناظر فطرت کے ساتھ ساتھ میر حسن نے اس مثنوی میں انسانی حسن کی بھی بعض بڑی ہی حسین اور دلاویزی تصویریں کھینچی ہیں اور اس طرح زندگی اور اس کے حسن کے ساتھ اپنی والہانہ وابستگی کا اظہار کیا ہے - بےنظیر، بدر منیر اور نجم النسا کے حسن کے بیان میں تو انھوں

نے بقول شخصے قلم توڑ دیا ہے اور اس بیان سے مجموعی طور پر کچھ ایسی فضا پیدا کر دی ہے جس سے زندگی کو بسر کرنے ، اس کو برتنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کا احساس شدید ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ حصے شاید سحر البیان کی جان ہیں اور انسانی حواس پر گہرے اثرات چھوڑتے ہیں۔ مثلاً بدر منیر کچھ اس طرح جلوہ گر ہوتی ہے :

وہ مسند جو تھی موجِ دریائے حسن
وہاں دیکھی اک مسند آرائے حسن

برس پندرہ ایک کا سن و سال
نہایت حسین اور صاحب جمال

دیئے کہنی تکئے پہ اک ناز سے
سرِ نہر بیٹھی تھی انداز سے

خواصیں کھڑیں ایدھر اودھر تمام
ستاروں کا جوں ماہ پر اژدھام

وہ بیٹھی تھی یہ دھج بنائے ہوئے
دل اس چاندنی پر لگائے ہوئے

ادھر آسماں پر وہ رخشندہ مہہ
ادھر یہ زمین پر مہ چاردہ

پڑا عکس دونوں کا جو نہر میں
لگے لوٹنے چاند ہر لہر میں

نظر آئے اتنے جو اک بار چاند
زمانے کے منہ کو لگے چار چاند

عجب طرح کا حسن تھا جاں فزا
کہ مہ رو بہ رو جس کے تھک رہا

یا پھر اس انداز دلبری اور طرز دلربائی سے اپنے آپ کو رونما کرتی ہے :

سب اعضاء بدن کے موافق درست
ہر اک کام میں اپنے چالاک و چست

جہاں راستی چاہیے راستی
کجی جس جگہ چاہیے واں کجی

وہ مکھڑا جسے دیکھ مہ داغ کھائے
وہ نقشہ کہ تصویر کو حیرت آئے

جو کچھ چاہیے ٹھیک نک سک سے انگ
نزاکت بھرا سیوتی کا سا رنگ

کچھ اک تمکنت اور کچھ اک بانکپن
غرض ہر طرح میں انوکھی پھبن

کرشمہ ، ادا ، غمزہ ہر آن میں
غرض دلبری اس کے فرمان میں

تغافل ، حیا ، ناز ، شوخی ، غرور
ہر اک اپنے موقع پہ دقت ضرور

قد و قامت آفت کا ٹکڑا تمام
قیامت کرے جس کو جھک کر سلام

اور شہزادہ بے نظیر جب نہانے کے لیے حمام میں اترتا ہے تو اس کے حسن کا عالم کچھ اس طرح دوبالا ہو جاتا ہے کہ اس کی کیفیت حواس

پر چھانے لگتی ہے ۔ اس میں جو تفصیل و جزئیات، باریک بینی، لطافت اور دقت نظر ہے وہ خاصے کی چیز ہے :

ہوا جب کہ داخل وہ حمام میں
عرق آگیا اس کے اندام میں

تنِ نازنین نم ہوا اس کا کل
کہ جس طرح ڈوبے ہے شبنم میں گل

نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک
برسنے میں بجلی کی جیسے چمک

لبوں پر جو پانی پڑا سر بسر
نظر آئے جتنے وہ گل برگ تر

ہوا قطرۂ آب یوں چشم بوس
کہے تو پڑے جیسے نرگس پہ اوس

لگا ہونے ظاہر جو احساس حسن
ٹپکنے لگا اس سے انداز حسن

گیا حوض میں جو شہہ بے نظیر
پڑا آب میں عکس ماہ منیر

وہ گورا بدن اور بال اس کے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر

نمی سے تھا بالوں کا عالم عجب
نہ دیکھی کوئی خوب تر اس سے شب

کہوں اس کی خوبی کی کیا تجھ سے بات
کہ جوں بھیگتی جائے صحبت میں رات

اور نجم النساء کی تو بات ہی اور ہے ۔ وہ تو نہایت ہی حسین اور قیامت شریر ہے ۔ وہ جب جوگن بن کر جنگل میں جاتی ہے اور چاندنی میں بیٹھ کر بین بجاتی ہے تو زندگی اس کے قدموں میں ناچنے لگتی ہے اور خود حسن اس کے قدم چومنے لگتا ہے :

تھی ہمراہ اک اس کے دخت وزیر
نہایت حسین اور قیامت شریر

ز بس تھی ستارہ سی وہ دل ربا
اسے لوگ کہتے تھے نجم النسا

چلی بن کے جوگن وہ باہر کے تئیں
دکھاتی ہوئی چال ہر ہر کے تئیں

تفِ سوز دل کا عیاں منہ سے حال
اڑاتی چلی اپنی آہوں سے رال

اس آئینہ رو کا کروں کیا بیان
صفا راکھ سے اور چمکی وہاں

کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند
چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند

چھپانے سے سوانگ اس نے جو جو کیے
غرض حسن نے اور جلوے دیے

وہ موتی کی سیلی وہ تن کی دمک
شب تیرہ میں کہکشاں فلک

زری کا وہ حلقہ سراو پر دھرے
کہ جوں شب میں کوئی نبیٹی کرے

زمانے کو بھائی جو اس کی ادا
تو اس رات پر دن کو صدقے کیا

انسانی حسن کی اس کیفیت کے ساتھ ساتھ سحر البیان میں انسانی رشتوں اور روابط کی بھی نہایت ہی حسین مصوری ہے - خصوصاً عورت اور مرد کے جذباتی رشتے میں جو صحت مندی ہے اور اس صحت مندی سے جس طرح زندگی کے حسن میں اضافہ ہوتا ہے، اس کو میر حسن نے شدت کے ساتھ محسوس کرکے پیش کیا ہے - اس مثنوی کے یہ حصے بھی میر حسن کی زندگی کے ساتھ گہری دلچسپی کو ظاہر کرتے ہیں اور ان سے بھی زندگی کے حسن کا احساس بڑھتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہونے کی خواہش بیدار ہوتی ہے - یوں تو یہ مثنوی ان باتوں سے بھری پڑی ہے - لیکن اس کی بہترین مثال وہ منظر ہے جہاں بے نظیر ، شہزادی بدرمنیر سے ملتا ہے اور جب وہ ایک دوسرے پر عاشق ہوکر اختلاط کی باتیں کرتے ہیں - یہ انسانی زندگی کے حسین ترین لمحوں کی خوبصورت ترین کیفیات کا بیان ہے جن سے سارے ماحول پر ایک سرخوشی کا سا عالم چھا جاتا ہے -

میر حسن کا احساس حسن ان بیانات میں اپنے شباب پر نظر آتا ہے کیا خوب تصویر کھینچی ہے :

وہ بیٹھا جو خلوت میں آ بے نظیر
اور ایدھر سے آئی جو بدر منیر

اسے دیکھ اس نے تو پھر غش کیا
لباس اور زیور سے عش عش کیا

زبس حوصلے نے جو تنگی سی کی
حیا عشق نے خانہ جنگی سی کی

پکڑ ہاتھ مسند پہ کھینچا اُسے
محبت کے رشتے میں اینچا اُسے

لگی کہنے ہے ہے مرا چھوڑ ہاتھ
یہ گرمی ہے جس سے رہے اس کے ساتھ

کہا ہائے پیاری جلایا مجھے
دکھائی نے تیری ستایا مجھے

اری ظالم اک دم تو تو بیٹھ جا
ذرا میرے پہلو سے تکیہ لگا

تڑپتا ہے کب سے پڑا میرا دل
ذرا کھول آغوش اور مجھ سے مل

غرض آخرش بعد راز و نیاز
وہ مسند پہ بیٹھی بہ صد امتیاز

ہوا پھر تو صہبائے گل گوں کا دور
ہوئے اور ہی اور کچھ واں کے طور

ہوئے جب کہ بدمست وہ ماہ رو
لگی ان میں ہونے عجب گفتگو

کہ دستے جو نرگس کے واں تھے ہزار
لگے ڈھانپنے آنکھ بے اختیار

خواصیں جو تھیں رو برو ہٹ گئیں
بہانے سے ہر کام کے بٹ گئیں

اس کے آگے بھی میر حسن نے اس تصویر میں کئی اور منظر دکھائے ہیں جن کو تہذیب یہاں نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی - لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں حقیقت کے رنگ بڑے گہرے ہیں -

غرض مناظر فطرت ، انسانی حسن اور انسان کے بنیادی رشتوں کی مصوری نے سحرالبیان کو ایک اچھا خاصا نگار خانہ بنا دیا ہے - ان کی وجہ سے مجموعی طور پر مثنوی میں رومانیت کی فضا ضرور پیدا ہوگئی ہے لیکن یہ رومانیت زندگی سے دوری اور اس سے علیحدگی کا احساس نہیں دلاتی - برخلاف اس کے زندگی ہی کا ایک پہلو نظر آتی ہے - میر حسن نے اس رومانیت میں بھی حقیقت کا رنگ بھرا ہے اور اس طرح ان کو زندگی کا بنیادی جز بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ سب کچھ میر حسن کی انسانیت اور انسان دوستی کی دین ہے -

(٦)

لیکن سحرالبیان صرف زندگی کے ان رومانی پہلوؤں ہی کی ترجمانی اور عکاسی نہیں کرتی - اس میں تو زندگی کی بعض سنگین اور ٹھوس حقیقتیں بھی اپنا جلوہ دکھاتی ہیں - ان حقیقتوں کی ترجمانی سے یہ احساس ہوتا ہے کہ زندگی صرف رومانیت اور جذباتیت ہی سے عبارت نہیں ہے - اس میں صرف لطیف اور طربیہ پہلو ہی سب کچھ نہیں ہیں - زندگی کا غم ، مسرتوں سے محرومی ، خواہشوں اور آرزوؤں کی شکستگی سے اس کو کبھی چھٹکارا نہیں ملتا - طربیہ پہلوؤں کے ساتھ المیہ پہلو سائے کی طرح چلتے ہیں اور انسانی زندگی انہیں دونوں کی پرچھائیوں کا نام ہے -

میر حسن نے سحرالبیان میں ان دونوں پہلوؤں کے توازن کو برقرار رکھا ہے اور یہ صورت حال ان کے گہرے انسانی شعور کی وجہ سے پیدا

ہوتی ہے - اگر ایسا نہ ہوتا تو سحرالبیان صرف ایک ہلکی پھلکی رومانی داستان کا روپ اختیار کر لیتی - لیکن اس کیفیت نے اس کو زندگی سے بھرپور اور اس کے حقائق سے لبریز ایک ایسی کہانی بنا دیا ہے جس کے اثرات دیر تک باقی رہتے ہیں -

اس کہانی کا آغاز ہی المیہ پہلو سے ہوتا ہے - بادشاہ اپنی تمام دولت اور جاہ و ثروت کے ساتھ ایک ایسے مغموم انسان کی طرح سامنے آتا ہے جس کو بعض حالات پر ذرا بھی اختیار نہیں ہوتا اور مجبوریوں کے بعض ایسے پہاڑ اس کی راہوں میں حائل رہتے ہیں جن کو وہ کسی حال میں بھی عبور نہیں کر سکتا - لیکن خوبی قسمت سے یہ غم اس کی زندگی سے دور ہو جاتا ہے - بے نظیر کی ولادت اس کی زندگی کو سرسبز و شاداب کر دیتی ہے - لیکن پھر اس کے غائب ہو جانے سے ایک دفعہ پھر اس کی زندگی میں خزاں سی آ جاتی ہے - ایک زمانہ اس طرح گزرتا ہے اور پھر اس وقت اس کو مسرت سے ہم کنار ہونا نصیب ہوتا ہے جب مثنوی کے دوسرے کردار اپنی زندگی کی بیشتر منزلیں طے کر لیتے ہیں - ماہ رخ پری مسرتوں سے محروم ایک عورت ہے جس کے دل میں محبت کرنے کا جذبہ ہے - وہ اس محبت کو حاصل کرنے کے لیے شہزادے سے محبت کرتی ہے اور اس سلسلے میں اس کو بہت بڑا اقدام کرنا پڑتا ہے لیکن اس کی قسمت میں تو ناکامی کی تاریکی ہی لکھی ہوئی ہے - وہ اسی تاریکی میں بھٹکتی ہے اور خدا جانے اس کو ذہنی اور جذباتی طور پر کن کن آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے - بے نظیر اور بدر منیر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں لیکن بے نظیر کو اس کے نتیجے میں قید و بند کی صعوبتیں اٹھانی پڑتی ہیں اور دوسری طرف بدر منیر کو اس کے ہجر و فراق میں انگاروں پر لوٹنا پڑتا ہے - نجم النسا ان کی مدد کرتی ہے لیکن اس ایثار اور قربانی کا نتیجہ یہ ملتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک غیر انسان کے حوالے کر دیتی ہے - بظاہر وہ ہنستی ، شوخیاں کرتی اور اپنے نغموں سے دوسروں کے دلوں کو لبھاتی ہے لیکن اس کو دیکھ کر ہمیشہ یہ محسوس ہوتا ہے جیسے اس کی زندگی کے نیچے غموں کا ایک

سمندر موجیں مار رہا ہے ۔ اگرچہ سحرالبیان کا انجام طربیہ ہے ۔ کیونکہ اس میں تقریباً تمام معاملات بخیر و خوبی طے ہو جاتے ہیں لیکن نجم النسا کی زندگی کا المیہ اس میں بہرصورت باقی رہتا ہے ۔ شادی تو اس کی بھی ہو جاتی ہے لیکن یہی شادی درحقیقت اس کی زندگی کے المیہ پہلو کی نشان دہی کرتی ہے ۔ ایک ایسی حسین و جمیل ، مخلص اور وفا شعار عورت کی ایک جن سے شادی ایک ایسا المیہ ہے جس کو ایک انسان ہی محسوس کر سکتا ہے ۔

میر حسن نے سحر البیان میں ان المیہ پہلوؤں کو بڑی خوبی سے پیش کیا ہے اور اس سے مثنوی میں زیادہ زندگی پیدا ہوگئی ہے ۔ بادشاہ کو بے اولاد ہونے کا جو غم ہے اس کی کیفیت میر حسن نے صرف تین اشعار میں بیان کی ہے لیکن ان اشعار سے قبل اس کی سلطنت کی کیفیت اور عیش و عشرت کے ماحول کو زیادہ تفصیل سے پیش کیا ہے جس میں بادشاہ زندگی بسر کر رہا ہے :

وہ دولت سرا خانۂ نور تھا
سدا عیش و عشرت سے معمور تھا

ہمیشہ خوشی رات دن سیر باغ
نہ دیکھا کسی دل پہ جز لالہ داغ

سدا عیش و عشرت سدا راگ رنگ
نہ تھا زیست سے کوئی اپنی بتنگ

غنی واں ہوا جو کہ آیا تباہ
عجب شہر تھا وہ عجب بادشاہ

نہ دیکھا کسی نے کوئی واں فقیر
ہوئے اس کی دولت سے گھر گھر امیر

کہاں تک کہوں اس کا جاہ و حشم
محل و مکاں اس کا رشک ارم

سدا ماہ رویوں سے صحبت اسے
سدا جامہ زیبوں سے رغبت اسے

ہزاروں پری پیکر اس کے غلام
کمربستہ خدمت میں حاضر مدام

کسی طرح کا وہ نہ رکھتا تھا غم
مگر ایک اولاد کا تھا الم

اسی بات کا اس کے دل پر تھا داغ
نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ

دنوں کا عجب اس کے یہ پھیر تھا
کہ اس روشنی پر یہ اندھیر تھا

زندگی کی اس متضاد کیفیت سے بادشاہ کے غم کی کیفیت یہاں کچھ زیادہ ہی نمایاں ہوگئی ہے اور ہم اس کی شخصیت میں روشنی اور اندھیرے کا یہ امتزاج واقعی دنوں کا پھیر معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح شہزادے کے غائب ہو جانے کی کیفیت کے بیان میں بھی بڑی شدت نظر آتی ہے۔ لیکن یہاں بھی میر حسن نے صرف بادشاہ کے غم ہی کی تفصیل بیان نہیں کی بلکہ اس ماحول کی تصویر کھینچ دی ہے جو شہزادے کے غائب ہو جانے کے بعد محل کے اندر اور باہر پیدا ہوا ہے۔ ان اشعار میں کیسی سوگوار سی فضا ہے:

کھلی آنکھ جو ایک کی واں کہیں
تو دیکھا کہ وہ شہزادہ نہیں

نہ ہے وہ پلنگ اور نہ وہ ماہرو
نہ وہ گل ہے اس جا نہ وہ اس کی بو

رہے دیکھ یہ حال حیران کار
کہ یہ کیا ہوا ہائے پروردگار

کوئی دیکھ یہ حال رونے لگی
کوئی غم سے جی اپنا کھونے لگی

کوئی بلبلائی سی پھرنے لگی
کوئی ضعف کھا کھا کے گرنے لگی

کوئی سر پہ رکھ ہاتھ ، دل گیر ہو
گئی بیٹھ ماتم کی تصویر ہو

کوئی رکھ کے زیر زنخداں چھڑی
رہی نرگس آسا کھڑی کی کھڑی

رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب
کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب

کسی نے دیے کھول سنبل کے بال
طمانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال

نہ بن آئی کچھ ان کو اس کے سوا
کہ کہہ دے یہ احوال اب شہہ سے جا

سنی شہہ نے القصہ جب یہ خبر
گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر

کلیجہ پکڑ ساں تو بس رہ گئی
کلی کی طرح سے بکس رہ گئی

ہوا گم جو یوسف پڑی یہ جو دھوم
کیا خادمان محل نے ہجوم

کہا شہہ نے واں کا مجھے دو پتا
عزیزو ! جہاں سے وہ یوسف گیا

گئیں لے وہ شہہ کو لب بام پر
دکھایا کہ سوتا تھا یاں سیم پر

یہی تھی جگہ وہ جہاں سے گیا
کہا جائے بیٹا تو یاں سے گیا

مرے نوجواں میں کہاں جاؤں پھر
نظر تو نے مجھ پر نہ کی بے نظیر

عجب بحرِ غم میں ڈبویا ہمیں
غرض جاں سے تو نے کھویا ہمیں

لب بام کثرت جو یکسر ہوئی
تلے کی زمیں ساری اوپر ہوئی

شب آدھی وہ جس طرح سوتے کٹی
رہی تھی جو باقی وہ روتے کٹی

عجب طرح کی شب تھی ہیات وہ
قیامت کا دن تھا نہ تھی رات وہ

سحر نے کیا جب گریباں چاک
اڑانے لگے مل کے سب سر پہ خاک

اٹھا شہر میں ہر طرف شور و غل
کہ غائب ہوا اس چمن سے وہ گل

غم و درد سے دل جو سب کا بھرا
ہوا باغ سارا وہ ماتم سرا

گیا جب کہ وہ سرو اس باغ سے
نظر پھول آنے لگے داغ سے

اکڑنا گئے سرو سب اپنا بھول
اڑانے لگیں قمریاں سر پہ دھول

صدا اب جو کوئی انھوں کی سنے
تو کو، کو، سے ان کی جگر تک بھنے

ہوئے خشک اور زرد سارے نہال
ثمر لگ کے پاؤں ہوئے پائمال

ترانے سے بلبل کا جی ہٹ گیا
گلوں کا جگر درد سے پھٹ گیا

یہاں صرف بادشاہ ہی گریہ و زاری نہیں کرتا ، ساری فضا اس دلدوز واقعے سے سوگوار ہو جاتی ہے - وہ باغ جو اس سے قبل شہزادے کو دیکھ کر نہال ہوتا تھا اور اس کی ایک ایک چیز پر مسرتیں رقص کرتی تھیں ، وہ بھی اس کے غم میں سیاہ پوش ہو کر ماتم کدہ بن جاتا ہے - میر حسن اس بات کا شعور رکھتے ہیں کہ غم زندگی پر کیا اثر کرتا ہے - اسی لیے وہ کسی ایک فرد کے غم کی کیفیت بیان نہیں کرتے

بلکہ پوری فضا کی مصوری کرتے ہیں ۔ اسی لیے اس کا اثر نسبتاً زیادہ گہرا ہوتا ہے ۔ کیونکہ اس طرح اس غم میں عام زندگی کے غم کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔

سحرالبیان میں اس اعتبار سے سب سے زیادہ موثر حصہ وہ ہے جہاں بے نظیر کے فراق میں بدر منیر سوگوار ہوتی ہے ۔ ایک رات میں اس کا حسن ماند پڑ جاتا ہے اور وہ خود اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتی ہے ۔ اس کی یہ تصویریں حقیقت سے کیسی بھرپور ہیں :

شب ہجر کی پھر علامت ہوئی
غرض عاشقوں پر قیامت ہوئی

گری جب چھپر کھٹ پہ وہ رشکِ حور
سبھوں کو کہا تم رہو دور دور

اکیلی وہ رونے لگی زار زار
اسی اپنے عالم میں بے اختیار

گرے چشم سے اس کے اتنے گہر
کہ دھویا اسی آب سے منہ سحر

صبوحی تو دے ساقیٔ لالہ فام
کہ رو دھو کے میں رات کاٹی تمام

ہوا آفتاب الم جو طلوع
اداسی کا ہونے لگا دن شروع

ذرا آئینہ لے کے دیکھا جو رنگ
تو جوں آئینہ رہ گئی وہ بھی دنگ

بدن کو جو دیکھا تو زار و نزار
کسی کو کوئی جیسے دیوے فشار

فلک کی طرف دیکھ اور شکر کر
لگی دل کو بہلانے ایدھر اودھر

زباں پر تو باتیں ولے دل اداس
پراگندہ حیرت سے ہوش و حواس

نہ منہ کی خبر اور نہ تن کی خبر
نہ سر کی خبر نہ بدن کی خبر

وہ حسن اور جوانی اور اس پر یہ غم
ستم ہے ستم ہے ستم ہے ستم

جہاں بیٹھنا آہ کرنا اسے
بہانہ نزاکت پہ دھرنا اسے

کبھی خون آنکھوں سے رو ڈالنا
کسی کو کبھی دیکھ دھر ڈالنا

خواصوں کو بالا بتانا اسے
اکیلے درختوں میں جانا اسے

ولے ان درختوں میں جس میں وہ ماہ
سر شام کر کر کے کرتا نگاہ

سو یہ بھی پیروں سے آدان مدام
اسی چھاؤں میں بیٹھ کرتی تھی شام

زندگی کے ان المیہ پہلوؤں کی ترجمانی میں میر حسن نے جگہ جگہ انسانی فطرت کے مختلف حقائق کو جس طرح نمایاں کیا ہے اور انسان کے بنیادی جذبات و احسات کی عکاسی کی ہے، اس نے سحرالبیان کو واقعیت اور حقیقت سے زیادہ قریب کر دیا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ جذبات نگاری کے لحاظ سے بھی یہ مثنوی ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ رومان اور حقیقت کے امتزاج نے اس جذبات نگاری میں زیادہ استواری پیدا کی ہے اور اس کو انسانی فطرت کی رنگا رنگ کیفیات کا ایک مرقع بنا دیا ہے۔

انسانی فطرت کی اس ترجمانی اور عکاسی ہی کا یہ اثر ہے کہ سحرالبیان میں ایک طرف تو انسانی زندگی کے بارے میں ایک واضح نقطۂ نظر ملتا ہے اور دوسری طرف کرداروں کے خد و خال نسبتاً زیادہ نمایاں ہوکر سامنے آتے ہیں۔ مثنوی کے مختلف واقعات کا نشیب و فراز انھیں دو باتوں کا پابند ہے اور ان دونوں نے مل کر مثنوی کو زیادہ ہمہ گیر لیکن متوازن بنا دیا ہے۔ ہمہ گیر تو اس وجہ سے کہ اس مثنوی میں شروع سے آخر تک پوری انسانی زندگی میر حسن کی گرفت میں نظر آتی ہے اور متوازن اس وجہ سے کہ واقعات ہمیشہ کرداروں کی مختلف حرکات و سکنات کے پابند رہتے ہیں۔

زندگی کے بنیادی حقائق اور انسانی فطرت کے نشیب و فراز کی عکاسی تو سحرالبیان میں ہر جگہ موجود ہے۔ لیکن کہانی کے ہر واقعے اور کرداروں کی ہر حرکت میں اس زندگی اور فطرت کا کوئی نہ کوئی رمز چھپا ہوا ہے۔ میر حسن نے بالواسطہ طور پر بڑے سلیقے سے اس کے چہرے سے نقاب اٹھائی ہے لیکن کہیں کہیں اس رمز و حقیقت کو پوری طرح بے نقاب بھی کر دیا ہے۔ لیکن یہاں بھی ایسا کرنے کی کوئی شعوری کوشش نظر نہیں آتی بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کا شعور کہیں کہیں لبریز ہوکر اضطراری طور پر چھلک پڑا ہے۔ یہ اشعار اسی صورت حال کی تخلیق ہیں :

جوانی تو میری گئی اب گزر
نمودار پیری ہوئی سر بسر

دریغا کہ عہد جوانی گزشت
جوانی مگو زندگانی گزشت

زہے بے تیزی و بے حاصلی
کہ از فکر دنیا و دین غافلی

یہ دعا جو ہے مزرع آخرت
فقیری میں ضائع کرو اس کو مت

عبارت سے اس کشت کو آب دو
کہ واں جا کے خرمن بھی تیار لو

رکھو یاد عدل و سخاوت کی بات
کہ اس فیض سے ہے تمھاری نجات

پڑے اپنے اپنے جو سب عیش پیچ
نہ سمجھے زمانے کی کچھ اونچ نیچ

یہ جانا کہ یوں ہی رہے گا یہ دور
زمانے کا سمجھا انھوں نے نہ طور

کہ اس بے وفا کی نئی ہے ترنگ
یہ گرگٹ بدلتا ہے ہر دم میں رنگ

کرا بادہ عیش در جام ریخت
کہ صد شام بر فرق صحبش نہ ریخت

جوانی کہاں اور کہاں پھر یہ سن
مثل ہے کہ ہے چاندنی چار دن

کبھی دل رہے خوش کبھی درد مند
زمانے کی جیسے ہے پست و بلند

———

مری عقل اس جا پہ حیران ہے
کہ یا رب یہ کیسا گلستان ہے

ہر اک وقت ہے اس کا عالم جدا
جو چاہے یہ پھر ہو تو امکان کیا

کبھی ہے خزاں اور کبھی ہے بہار
یہیں اک وطیرے پہ لیل و نہار

———

کسی کے تو آ کام فرخندہ خال
کہ آخر یہ دنیا ہے خواب و خیال

———

یہاں یہ باتیں واضح طور پر پیش کی گئی ہیں کہ زندگی تغیر سے عبارت ہے ۔ ہر لمحہ اس میں انقلابات آتے رہتے ہیں ۔ انسان کی جوانی اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو ضرور بڑھاپے سے دوچار ہونا پڑے گا ۔ یہ افسوس کا مقام ضرور ہے لیکن یہ زندگی کی حقیقت ہے اور اس سے فرار انسان کے بس کی بات نہیں ۔ یہ احساس اس کے یہاں اکثر زندگی سے علیحدگی اور روگردانی کے خیال کو پیدا کرتا ہے لیکن اس کی بڑائی اسی میں ہے کہ وہ اس خیال سے دامن بچا کے نکل جائے اور زندگی کے راستے پر بہرصورت گامزن رہے ۔ جوانی کی چاندنی یقیناً چار دن رہتی ہے اس کا

احساس ضروری ہے ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس چاندنی کو بیکار نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس سے جی بھر کے لطف اندوز ہونے کی ضرورت ہے ۔ اس صحبت کو غنیمت سمجھنا چاہیے کیونکہ زمانہ ہمیشہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے ۔ انسان کو یہ سب کچھ دیکھ کر حیرانی ضرور ہوتی ہے لیکن اس سے مطابقت پیدا کر لینے ہی میں اس کی بڑائی ہے ۔ انسانی زندگی یقیناً خواب و خیال ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ خواب و خیال ہی کی طرح معدوم ہوتی جاتی ہے ۔ انسان اس زندگی میں مجبور اور معذور ہے اس لیے اس مجبوری اور معذوری کے باوجود اگر وہ کسی کے کام آ گیا تو یہی اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے ۔

سحرالبیان میں یہ خیالات بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ۔ اسی لیے کہیں کہیں ان کو بہت نمایاں کر کے پیش کیا گیا ہے ۔ لیکن اس کے باوجود اس میں واعظانہ رنگ و آہنگ پیدا نہیں ہوتا اور اس کی جذباتی اور رومانی فضا کو ٹھیس نہیں لگتی اور ان حقائق کی ترجمانی کے باوجود یہ فضا بہرصورت باقی رہتی ہے ۔

(۷)

یہ مثنوی ، اس میں شبہ نہیں کہ چند واقعات کا مجموعہ ہے جس کے نشیب و فراز میں انسانی زندگی کے چند بنیادی حقائق ابھر کر سامنے آتے ہیں لیکن ان واقعات کی بہ ذات خود کوئی حیثیت نہیں ہے ۔ یہ تو کرداروں کی حرکات و سکنات کے پابند ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہیں ۔ بلکہ شاید یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ان کے ساتھ ساتھ قدم ملا کے چلتے ہیں ۔ اسی لیے ان واقعات میں زیادہ جان نظر آتی ہے اور وہ ہوا میں معلق نہیں معلوم ہوتے ۔ حقیقت یہ ہے کہ سحرالبیان ہر واقعہ زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کی تصویر دکھاتی دیتا ہے ۔ یہ بات غالباً غلط نہیں ہے کہ اس مثنوی میں میر حسن کے پیش نظر کردار نگاری کا خیال نہیں تھا ۔ شاید ہو بھی نہیں سکتا تھا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ وہ مثنوی لکھ رہے تھے ، ناول لکھنا

ان کے پیشِ نظر نہیں تھا - لیکن مثنوی نگاری کے محدود دائرے میں رہ کر انھوں نے کرداروں کو واقعات کے ساتھ جس طرح ہم آہنگ کیا اس کی مثال اردو مثنوی کی روایت میں کہیں اور ذرا مشکل ہی سے ملے گی - میر حسن کے یہاں کرداروں کو نمایاں کرنے کا احساس اس حد تک شدید ہے کہ وہ بالواسطہ طور پر تو کرداروں کی خصوصیات کو نمایاں کرتے ہی ہیں لیکن کسی واقعے کے ظہور پذیر ہونے سے قبل اس واقعے کے بنیادی کردار کے بارے میں براہ راست بھی کچھ ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے اس کردار کی بنیادی خصوصیات پر خاصی روشنی پڑتی ہے -

سحر البیان کے بنیادی کردار بادشاہ بے نظیر، بدر منیر، نجم النساء، ماہ رخ پری اور جن کے بادشاہ کا بیٹا فیروز شاہ ہیں - بادشاہ مثنوی کے شروع اور آخر میں صرف تھوڑی دیر کے لیے آنکھوں کے سامنا آتا ہے - لیکن اس تھوڑی دیر میں اس کی پوری شخصیت سے آگاہی ہو جاتی ہے - ان باتوں کا علم ہوتا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں شہنشاہ گیتی پناہ ہے - اس کی جاہ و حشمت اور مال و متال کا کوئی ٹھکانا نہیں - دور دور تک اس کی حکمرانی ہے - بادشاہ اس کو خراج دیتے ہیں - وہ رعیت کو آسودہ حال رکھتا ہے اور اس کی سلطنت میں عوام آرام و اطمینان کی زندگی بسر کرتے ہیں - اس کی حسن پرستی کے اثرات شہروں کی دلکشی اور اس کی عمارتوں کی دلاویزی میں صاف نظر آتے ہیں - وہ ہنر مندوں اور فن کاروں کا قدر دان ہے - اسی لیے اس کی حکومت میں ایسے لوگوں کا مجمع ہے - اس کے آس پاس شب و روز عیش و عشرت کے چرچے رہتے ہیں - راگ رنگ سے اس کو دلچسپی ہے - اس لیے رقص و سرود کی محفلیں گرم رہتی ہیں - سخاوت اور داد و دہش کا کوئی حساب نہیں - اس کی زندگی یوں تو بے شمار مسرتوں سے لبریز ہے لیکن صرف اولاد کے نہ ہونے کا غم ہے - اس غم کی وجہ سے ترک دنیا کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں - لیکن وہ اپنے وزیروں کی بات مانتا ہے - چنانچہ ان ہی کے مشورے کی بدولت وہ ترک دنیا سے باز رہا اور نجومیوں کی

باتوں پر اعتقاد نہ رکھتے ہوئے بھی اس نے ان کی بات مانی - اتفاق سے پیشن‌گوئی صحیح ثابت ہوئی اور اس کے یہاں ایک چاند سا لڑکا پیدا ہوا - اس سے اس کو ایسی ہی مسرت ہوئی جیسے کہ ایک باپ کو ہونی چاہیے - چنانچہ اس نے اس کے لیے محل تعمیر کرایا ، باغ کی طرح ڈالی ، شادیانے بجائے ، خوشیاں منائیں رقص و سرود کی محفلوں کو آراستہ کیا ، اور پھر جب شہزادہ ایک شب بارہ برس کے بعد غائب ہوگیا تو اس کو صدمہ بھی ایسا ہوا جیسے کہ ایک جذباتی باپ کو ہونا چاہیے - اس حادثے سے اس کی زندگی میں خزاں آ جاتی ہے - وہ گریہ و زاری کو اپنا شعار بنا لیتا ہے - شہزادے کی تلاش میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے - یہ اور بات ہے کہ ایک زمانے تک اس کو کامیابی نصیب نہیں ہوتی - آخر میں جب شہزادہ مل جاتا ہے اور وطن واپس آتا ہے تو اس کی خزاں رسیدہ زندگی میں ایک بار پھر بہار آ جاتی ہے - بیٹے اور بہو کو دیکھ کر وہ ایک عام باپ کی طرح خوش ہوتا ہے اور بڑی دھوم دھام سے شادی کی تمام رسمیں ادا کرتا ہے - غرض اس بادشاہ میں ایک اعلیٰ درجے کے حکمراں اور ایک اچھے باپ کی بے شمار خصوصیات موجود ہیں - اس کے کردار کی ان خصوصیات کو اس مثنوی میں کچھ اس طرح نمایاں کیا گیا ہے کہ بادشاہ کے کردار کی مکمل تصویر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے -

شہزادہ بے نظیر ، ظاہر ہے کہ ، اس کہانی کا ہیرو ہے - اس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک ہیرو میں ہونی چاہئیں - وہ نہایت حسین و جمیل ہے - اس کی پرورش ناز و نعم کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ واقعی اس زمانے کے شہزادوں کی طرح زندگی بسر کرتا ہے - ماں باپ کی بے پایاں شفقت اور محبت اس کو نصیب ہے لیکن یہ شفقت اور محبت اس کی تعلیم و تربیت کے راستے میں حائل نہیں ہوتی - اس کو بچپن ہی سے مختلف علوم کی طرف راغب کیا جاتا ہے اور وہ چھوٹی سی عمر ہی میں ادب ، معانی منطق ، قانون ، ہیئت ، ہندسہ ، صرف و نحو ، خوش نویسی ، تیر اندازی ، موسیقی ، غرض تمام ضروری علوم و فنون سے آشنا ہو جاتا

ہے - لیکن یہ کسب کمال اس کے مزاج میں غرور اور تکبر کو پیدا نہیں کرتا - انسانیت اور آدمیت کی خصوصیات اس کے مزاج میں بہر صورت باقی رہتی ہیں - وہ انسانوں کا پرستار ہے - ماہ رخ پری جب اس کو اڑا کر پرستان میں لے جاتی ہے تو وہ ایک لمحے کو بھی وہاں کی کسی چیز سے دلچسپی کا اظہار نہیں کرتا - چنانچہ وہ پریشان ہو کر دل بہلانے کے لیے اس کو جادو کا گھوڑا دیتی ہے - اس گھوڑے پر وہ سیر کرتا پھرتا ہے - نئی چیزوں کا دیکھنا ، کائنات کی حیران کرنے والی عجیب الخلقت اور مافوق الفطرت چیزوں کے ساتھ دلچسپی لینا اس کے مزاج میں نہیں ہے - وہ تو انسانی ماحول کی تلاش و جستجو میں سرگرداں رہتا ہے - اس گھوڑے پر سوار ہو کر وہ شہزادی کے محل میں اس وجہ سے اترتا ہے کہ وہاں اسے اپنی جنس کی خو بو نظر آتی ہے - اس کے مزاج میں رومانیت ہے - رنگین مناظر اس کا دل لبھاتے ہیں - وہ جب باغ میں چھٹکی ہوئی چاندنی کے درمیان ایک حسین و جمیل شہزادی کو دیکھتا ہے تو دیکھتے ہی اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے - یہ محبت اپنے پینگ بڑھاتی ہے اور ایک لمحے کو بھی اس کا خیال اس کے دل سے نہیں نکلتا - وہ اس محبت میں سچا اور پرخلوص ہے - اس کی خاطر اس کو بڑی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن اس کے قدم کبھی بھی ڈگمگاتے نہیں - ابتلا کا دور گزر جاتا ہے - اور وہ قید و بند سے چھٹکارا پا کر شہزادی کے باپ کو شادی کے لیے روایتی انداز میں رقعہ لکھتا ہے ، اور بالآخر یہ شادی بخیر و خوبی انجام پاتی ہے - سحرالبیان میں شہزادی کے کردار کی ان خصوصیات کو بڑی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے - لیکن اس تفصیل میں مبالغے کو دخل نہیں ہے - اسی لیے بے نظیر کی تصویر اس مثنوی میں حقیقت سے بھرپور نظر آتی ہے -

بدر منیر اس مثنوی کے افق پر سب سے پہلے حسن و شباب کا ایک مجسمہ بن کر ابھرتی ہے - اس حسن و شباب نے اس کو بھی بلا کا رومانیت پسند بنایا ہے - وہ چاندنی میں اپنی خواصوں کے ساتھ باغ کی سیر کرتی ہے - اس عالم میں شہزادہ بے نظیر باغ میں داخل ہوتا ہے -

اس کو دیکھتے ہی حسن و شباب میں کچھ اور بھی تیزی و تندی پیدا ہو جاتی ہے - میر حسن نے اس کی اس کیفیت کی نہایت ہی حسین مصوری کی ہے - وہ اپنی محبت میں بے حد جذباتی ہے - شہزادے کو دیکھتی ہے تو چشم زدن میں غش کھا کر گر جاتی ہے - نجم النساء گلاب چھڑکتی ہے تو اس کو ہوش آتا ہے - وہ اٹھتی ہے لیکن حیران و پریشان سی نظر آتی ہے اور شرم کی وجہ سے شہزادے کے سامنے سے منہ موڑ کر چلی جاتی ہے - لیکن اس کا ادا سے جانا شہزادے کو کچھ اور بھی گھائل کر دیتا ہے - اس عالم میں اس کی زلف چوٹی ، شانوں اور کمر کی کیفیت اس کو نیم بسمل بنا کر تڑپنے کے لیے چھوڑ دیتی ہے - بدر منیر کے کردار میں شرم و حیا کی خصوصیت بھی بہت نمایاں ہے - وہ شہزادے سے ملاقات تو کرتی ہے لیکن اس کے لیے خود کوئی اقدام نہیں کرتی - اس کی سہیلی نجم النسا اس کے دل کا حال معلوم کر کے تقریب ملاقات پیدا کر دیتی ہے اور پھر وہ دونوں آپس میں ملتے ہیں - لیکن وہ بدن کو چرائے ، آنچل سے منہ کو چھپائے سجائے اور شرم سے بل کھائے ہوئے اس کے سامنے بیٹھتی ہے - اس کا بدن شرم سے پسینے پسینے ہو جاتا ہے - تھوڑی دیر وہ دونوں اس عالم میں پابند حجاب رہتے ہیں - لیکن بالآخر حجاب کا یہ پردہ اٹھ جاتا ہے اور کھل کھیلنے کی منزل آ جاتی ہے - پھر تو عیش و عشرت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے - لیکن اسی عالم میں جب بے نظیر پری کا ذکر کر کے اپنی مجبوری ظاہر کرتا ہے تو وہ آگ بگولا ہو جاتی ہے اور اظہار رشک کر کے اپنی نسائیت کو پوری طرح ظاہر کرتی ہے - بے نظیر سے ملنے کے بعد اس میں وہ تبدیلیاں ہوتی ہیں جو نفسیاتی طور پر ایک نوجوان لڑکی میں ہونی چاہییں - وہ اپنے آپ کو زیادہ سجاتی بناتی ہے اور بے نظیر کا انتظار بڑی بے چینی سے کرتی ہے - بے نظیر آتا ہے تو اس کی مسرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی - وہ اس کے ساتھ اپنی زندگی کے بہترین لمحے گزارتی ہے - وقت کے ساتھ ساتھ اس کی محبت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے - یہاں تک کہ وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتی - زندگی کا سب سے بڑا صدمہ اس کو اس وقت ہوتا ہے جب بے نظیر پری کے ہاتھوں قید و بند کا شکار ہو جاتا ہے ، خواب میں وہ

سے بے نظیر کو پریشان دیکھتی ہے اور اس سے اس کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ ضرور کسی مصیبت میں گرفتار ہے - چنانچہ وہ کھانا پینا تک چھوڑ دیتی ہے - ہنسنے بولنے سے اس کو کوئی سروکار نہیں رہتا - عالم تنہائی میں زار زار روتی ہے - اس کی عزیز سہیلی نجم النساء کا اس کو تسلی دینا بھی کارگر ثابت نہیں ہوتا - بدر منیر کی اس حالت کو دیکھ کر نجم النساء کو جوگن بن کر شہزادے کی تلاش میں باہر نکلنا پڑتا ہے - وہ شہزادے کو تلاش کر کے لے آتی ہے تو بدر منیر کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہیں رہتا - غرض بدر منیر کا کردار بھی اس مثنوی میں پوری طرح نمایاں ہے اور اس کی وجہ سے اس مثنوی میں بڑی دلکشی پیدا ہوتی ہے -

نجم النساء کے کردار نے بھی سحرالبیان کو دلچسپ بنانے میں نمایاں حصہ لیا ہے - بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید بے جا نہیں کہ نجم النساء اس مثنوی کا سب سے دلچسپ اور دلکش کردار ہے - وہ بھی شہزادی کی طرح حسن و شباب کا مجسمہ ہے - لیکن وہ شہزادی کی طرح جذباتی نہیں ہے ، شوخی اور شرارت اس کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے - بات بات میں مزاح پیدا کرنا اور فقرے کسنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے - لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کو زندگی کے ساتھ کھیلنا بھی آتا ہے - وہ زندگی کا شعور بھی رکھتی ہے - اس کے کچھ معیار بھی اس کے پیش نظر ہیں - محبت اور اخلاص مندی ، ایثار اور قربانی اس کی شخصیت کی نمایاں خصوصیات ہیں - وہ دوسروں کے لیے اپنی جان کی بازی لگا سکتی ہے - دوست کی خاطر اپنا سب کچھ نچھاور کر دینا جیسے اس کے لیے کوئی بات ہی نہیں - اس مثنوی میں وہ سب سے پہلے ایک شوخ اور شریر لڑکی کی طرح نظر آتی ہے - میر حسن نے اس کو نہایت حسین ، قیامت شریر اور سدا روشن دلربا کہہ کر اس کے کردار کی بعض خصوصیات کو واضح کیا ہے - جب بے نظیر اور بدر منیر محبت کی اولین منزل پر غش کھا کر گرتے ہیں تو وہ ان پر گلاب چھڑکتی اور اس طرح انہیں ہوش میں لاتی ہے - اس کی یہ حرکت بڑی معنی خیز ہے - اس میں

شوخی ، شرارت ، معاملہ فہمی ، دانش مندی ، محبت ، اخلاص مندی اور اسی طرح کی نہ جانے کتنی چیزوں کا امتزاج ہے - وہ کبھی منجیدہ نہیں ہوتی - بدر منیر کی سہیلی ہونے کی وجہ سے وہ اس کے ساتھ خاصی بے تکلف ہے - چنانچہ جب شہزادے کو دیکھ کر بدر منیر دالان میں جا کے چھپتی اور شرم سے گڑی جاتی ہے تو وہ اس سے مزاح کے انداز میں یہ کہتی ہے کہ تیرے یہ چوچلے مجھے اچھے نہیں لگتے اور خواہ‌مخواہ تو جو یہ انداز دکھا رہی ہے وہ اس کو ایک آنکھ نہیں بھاتے اور پھر یہ مشورہ دیتی ہے کہ جب اس نے شہزادے کو گھائل کر دیا ہے تو اب اس کو نیم بسمل چھوڑ کر اس سے دور بھاگنا کوئی معنی نہیں رکھتا - بلکہ زندگی کا لطف اٹھانا ، جوانی سے محظوظ ہونا ، دنیا کے غم کو فراموش کرنا ہی مناسب ہے - کیونکہ حسن و جوانی کی بہار ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں - حسن و شباب کا تو تقاضا بھی یہی ہے کہ محبت کی جائے اور اس زندگی سے رس کو نچوڑا جائے کیونکہ زندگی بڑی ظالم ہے ، زمانہ بڑا بے رحم ہے - وقت گزر جائے تو پھر کبھی بھی لوٹ کر نہیں آتا - اس کی یہ باتیں زندگی کے صحیح شعور پر دلالت کرتی ہیں اور ساتھ ہی ان میں شوخی اور شرارت کا پہلو بھی چھپا ہوا نظر آتا ہے ، اور پھر جب شہزادی پر شہزادے کے قید ہو جانے سے مصیبت کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں تو نجم النسا پہلے ایک ناصح مشفق اور ایک مخلص دوست کے روپ میں دکھائی دیتی ہے - وہ شہزادی کو تسلی دیتی ہے - دلاسے دے کر اس کے دل کو بہلاتی ہے - یہ کہہ کر اس کو سمجھاتی ہے کہ مسافر سے محبت کر کے اس طرح پریشان ہونا کہاں کی عقل مندی ہے - یہ لوگ بھلا کس کے ہوتے ہیں ؟ ہو سکتا ہے اس کو تیری چاہ نہ ہو اور وہ صرف پری کی محبت میں گرفتار ہو اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس کے دل میں غم کا جو بوجھ ہے وہ وقتی طور پر ہلکا ہو جائے - لیکن جب وہ یہ دیکھتی ہے کہ بدر منیر کی حالت روز بہ روز بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے تو پھر شہزادے کی تلاش میں جوگن بن کر باہر نکلتی ہے اور شہروں شہروں اور جنگلوں جنگلوں ماری ماری پھرتی ہے - بالآخر ایک جنگل میں اس کو فیروز شاہ ملتا ہے اور اس کو دیکھتے ہی اس کی محبت

میں گرفتار ہو جاتا ہے لیکن وہ خود اس سے محبت نہیں کرتی - اس کے پیش نظر تو ایک مقصد ہے - اس کے پاس جذبات سے کھیلنے کے لیے وقت نہیں ہے - وہ فیروز شاہ کا حال دل معلوم کر لیتی ہے اور اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتی ہے لیکن ساتھ ہی اس مقصد کا اظہار بھی کرتی ہے جس کی خاطر اس کو گھر سے نکلنا پڑا ہے - فیروز شاہ شہزادے کو تلاش کرنے کا وعدہ کرتا ہے - وہ جذبات کا احترام کرنا جانتی ہے لیکن جذباتیت اس کے ہاں نام کو نہیں - اس کی زندگی تو صرف اخلاص مندی ، ایثار اور قربانی سے عبارت ہے - سحرالبیان میں اس کے کردار کے یہ پہلو بڑے سلیقے سے نمایاں کیے گئے ہیں اور اس طرح اس کو ایک بھرپور کردار بنا کر پیش کیا گیا ہے -

اس مثنوی میں صرف ماہ رخ پری اور فیروز شاہ کے کردار ایسے ہیں جن کی حیثیت مافوق الفطرت ہے - لیکن میر حسن کے گہرے انسانی شعور نے ان کرداروں میں بھی ایسا انسانی رنگ بھرا ہے کہ یہ اپنی حرکات و سکنات سے پوری طرح انسان ہی نظر آتے ہیں اور ان کرداروں کی انہیں خصوصیات ہی کی وجہ سے اس مثنوی کے انسانی ماحول کو ٹھیس نہیں لگتی اور مافوق الفطرت ، عناصر کے باوجود اس کا ماحول مجموعی طور پر انسانی رہتا ہے - دوسرے انسانی کرداروں کی طرح یہ دونوں کردار بھی زیادہ دیر تک ہمارے سامنے نہیں رہتے - وہ تھوڑی دیر کے لیے نمودار ہوتے ہیں - اس تھوڑی دیر میں ان کی حرکات و سکنات گنتی کے ایک دو واقعات کو پیدا کر دیتی ہیں - لیکن ان واقعات سے ان کرداروں کا ایک مجموعی تاثر ذہنوں پر ضرور ثبت ہوتا ہے اور اس تاثر میں انسانی ادوار کی جھلکیاں ضرور دکھائی دیتی ہیں -

ماہ رخ پری جب شہزادے کو اڑا کر لے جاتی ہے تو یقیناً مافوق‌الفطرت طاقت کو استعمال کرتی ہے - لیکن اس کی محبت میں گرفتار ہو کر وہ اپنی تمام مافوق الفطرت صلاحیتوں کو فراموش کر دیتی ہے - وہ اس کے سامنے صرف ایک عورت کی طرح آتی ہے اور اپنی تمام حرکات سے نسائی خصوصیات کا اظہار کرتی ہے - جب پرستان میں شہزادہ

سے بے نظیر حیران ہوکر اس سے یہ پوچھتا ہے کہ وہ کون ہے اور یہ کون سی جگہ ہے ، تو وہ ایک عام مشرقی عورت کی طرح اس کی طرف سے منہ پھیر کر اور نقاب لے کر اس کو جواب دیتی ہے کہ خدا جانے میں کون ہوں اور توکون ہے ؟ گویا اس واقعے پر خود اپنی حیرانی کا اظہار کرتی ہے - لیکن پھر محبت کا والہانہ جذبہ اس کو اس بات کے اظہار پر مجبور کرتا ہے کہ شہزادہ اس کے یہاں مہمان ہے اور اس کے یہاں کی ہر چیز اس کی ہے - کیونکہ شہزادے نے اس کو اپنی محبت میں اسیر کر لیا ہے - اسی لیے وہ اس کو مجبور ہوکر یہاں لائی ہے - لیکن شہزادہ اس کی ان باتوں سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتا ، وہ تو اپنے گھر ، اپنے ماں باپ اور انسانی ماحول کو یاد کر کرکے روتا ہے - جب اس کی پریشانی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور ماہ رخ خود اس کی پریشانی سے پریشان ہوتی ہے تو اس کے دل کو بہلانے کے لیے جادو کا گھوڑا دیتی ہے لیکن ساتھ ہی اس سے اس بات کا عہد لیتی ہے کہ وہ کسی اور سے محبت نہیں کرے گا - لیکن شہزادے کو کون روک سکتا ؟ وہ تو ایک انسان سے محبت کرتا ہے - جب ماہ رخ کو یہ خبر ملتی ہے تو ایک عام عورت کی طرح اس کی محبت نفرت میں بدل جاتی ہے اور وہ اس سے انتقام لیتی ہے - لیکن رسوائی کے خیال سے ڈرتی بھی ہے - اس کی ان تمام حرکات و سکنات میں انسانی خصوصیات موجود ہیں اور ایک عام عورت کی نسائی خصوصیات ان میں بہرصورت نمایاں ہیں - انہیں خصوصیات نے اس کے کردار میں زندگی پیدا کی ہے اور اس طرح مافوق الفطرت عناصر کے باوجود اس کو حقیقت سے قریب کرنے میں معاونت کی ہے -

فیروز شاہ شاید اپنی حرکات و سکنات سے اپنے آپ کو ماہ رخ سے بھی زیادہ انسانی خصوصیات کا حامل ثابت کرتا ہے - اس کا کردار بھی ماہ رخ پری کے کردار کی طرح مثنوی میں بہت نمایاں نہیں ہے - لیکن اس کے باوجود وہ اہم معلوم ہوتا ہے کیونکہ جتنی دیر بھی وہ آنکھوں کے سامنے رہتا ہے ، اس کی ایک ایک حرکت میں انسانی خصوصیات کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں - وہ اچانک جنگل میں اس وقت نمودار ہوتا ہے

جب حد نظر تک چھٹکی ہوئی چاندنی میں نجم النساء بین بجا کر اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی ہے - بڑی ہی رومانی سی فضا ہے - نجم النساء کی نغمگی نے ایک ایک چیز کو سرشار کر دیا ہے - درخت تک وجد میں آ گئے ہیں - ہوا بھی جھوم جھوم کر چل رہی ہے - خود چاندنی پر ایک غشی کا عالم طاری ہے - اس عالم میں فیروز شاہ کا گذر ادھر سے ہوتا ہے - وہ نجم النساء کو دیکھتا ہے ، اس کے نغمے سنتا ہے ، اور اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ سے بے خبر ہو جاتا ہے - نجم النساء کے قریب جا کر حال احوال دریافت کرتا ہے - وہ بات نہیں کرتی اور صبح تک بین بجاتی رہتی ہے - فیروز شاہ اس کے سامنے رات بھر بیٹھا آنسو بہاتا رہتا ہے - جب صبح ہو جاتی ہے تو وہ اس کو اڑا کر پرستان میں لے جاتا ہے - راگ رنگ کی ایک خاص محفل منعقد ہوتی ہے اور وہ اس کے باپ کے سامنے بین بجاتی ہے - اس کا باپ بھی اس کے فن سے بہت خوش ہوتا ہے - فیروز شاہ کی بے چینی بڑھتی جاتی ہے - بالآخر ایک دن وہ نجم النساء کو تنہا پا کر اس کے پاؤں پر گر کر اظہار عشق کرتا ہے - ماہ رخ پری کی طرح اس معاملے میں اس سے کوئی زیادتی نہیں ہوتی - وہ تو نجم النساء کے اشاروں پر رقص کرتا ہے - نجم النساء بے نظیر کو تلاش کرنے کی شرط لگاتی ہے - چنانچہ وہ اس کے لیے تیار ہو جاتا ہے - چنانچہ شہزادے کی تلاش و جستجو شروع ہوتی ہے اور فیروز شاہ کی مدد سے نجم النساء کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوتی ہے - شہزادہ مل جاتا ہے اور بالآخر فیروز شاہ کی شادی بالکل انسانوں کی طرح نجم النساء کے ساتھ ہو جاتی ہے - فیروز شاہ کا کردار اپنی انسانی خصوصیات کے باعث اس مثنوی میں خاصی اہمیت رکھتا ہے - اس کی طبعیت کی جذباتیت ، نرمی ، بردباری ، نیکی ، شرافت ، اخلاص مندی اور صداقت انسانوں میں بھی خال خال ہی ملے گی -

یہ تمام کردار سحر البیان کی جان ہیں اور انھیں کے سہارے اس کی پوری عمارت کھڑی ہوئی ہے - واقعات ، جن کے امتزاج سے کہانی تیار ہوئی ہے وہ بھی انھیں کرداروں کے مرہون منت ہیں اور حقیقت یہ

ہے کہ ان واقعات کو بھی ان کرداروں ہی نے زندگی سے ہمکنار کیا ہے -

(۸)

سحر البیان کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں شروع سے آخر تک ایک مخصوص معاشرتی اور تہذیبی ماحول کی ترجمانی نظر آتی ہے - اس کے کردار اور کرداروں کی حرکات و سکنات کے نتیجے میں پیدا ہونے والے واقعات و کردار اس معاشرتی اور تہذیبی ماحول کے عکاس ہیں - اس میں بادشاہوں اور شہزادوں اور عام لوگوں کی ذہنی و جذباتی کیفیت ، ان کے رہن سہن کے مخصوص انداز ، ان کی دلچسپیوں اور ان کے زمانے کے رسم و رواج کو جس طرح پیش کیا گیا ہے ، اس سے اس زمانے کے مخصوص معاشرتی اور تہذیبی ماحول کی ایک مکمل تصویر سامنے آتی ہے - میر حسن نے ایسا کرکے درحقیقت اپنے آس پاس اور گرد و پیش کی فضا کو نمایاں کیا ہے - لیکن اس میں ان کی شعوری کوشش کو دخل نہیں - اپنے مخصوص معاشرتی اور تہذیبی ماحول سے انھیں جو گہری دلچسپی تھی اس کا رنگ ان کی طبعیت میں کچھ اس طرح رچا ہوا تھا کہ اس داستان کو بیان کرتے ہوئے وہ غیر شعوری طور پر اس رنگ کو نمایاں کرنے کے لیے مجبور ہوگئے ہیں - انھوں نے نقشہ تو خیالی شہزادوں اور شہزادیوں کے ماحول کا کھینچا ہے - لیکن اس میں اُن کے زمانے کے اودھ کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کا عکس صاف نظر آتا ہے -

مثلاً میر حسن نے جس شہر کا ذکر کیا ہے وہ حد درجہ خوبصورت ہے - ان کے خیال میں اس زمانے کے شہر جنت سے بھی زیادہ حسین اور دلاویز تھے - ان کی چہل پہل دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی - ان میں باکمال اور ہنر مند لوگ رہتے تھے - خوش حالی کا سکہ چلتا تھا اور افراد عیش و عشرت کی شراب سے سرشار تھے :

عجب شہر تھا اس کا مینوں سواد
کہ قدرت خدائی کی آتی تھی یاد

لگے تھے ہر اک جا پہ واں سنگ و خشت
ہر اک کوچہ اس کا تھا رشک بہشت

زمین سبز و سیراب عالم تمام
نظر کو طراوت وہاں صبح و شام

عمارت تھی کچ کی وہاں بیشتر
کہ گزرے صفائی سے جس پر نظر

کہیں ماہ و منبع کہیں حوض و نہر
ہر اک جا پہ آب لطافت کی لہر

کروں اس کی وسعت کا کیا میں بیان
کہ جوں اصفہان تھا وہ نصف جہان

ہنر مندواں اہل حرفہ تمام
ہر اک نوع کی خلق کا اژدہام

یہ دلچسپ بازار تھا چوک کا
کہ ٹھہرے جہاں پر وہیں دل لگا

جہاں تک کہ رستے تھے بازار کے
کہے تو کہ تختے تھے گلزار کے

وہ پختہ مکانوں کے دیوار و در
سپیدی پہ جس کی نہ ٹھہرے نظر

صفا پر جو اس کی نظر کر گئے
اسے دیکھ کر سنگ مرمر گئے

کہوں قلعے کی اس کی میں کیا شکوہ
گئے دب بلندی کو دیکھ اس کی ، کوہ

وہ دولت سرا خانۂ نور تھا
سدا عیش و عشرت سے معمور تھا

ہمیشہ خوشی رات دن سیر باغ
نہ دیکھا کسی دل پہ جز لالہ داغ

سدا عیش و عشرت سدا راگ رنگ
نہ تھا زیست سے اپنی کوئی بتنگ

غنی واں ہوا جو کہ آیا تباہ
عجب شہر تھا اور عجب بادشاہ

ان شہروں میں شاہان وقت رہتے اور حکمرانی کرتے تھے - ہن برستا تھا - رقص و موسیقی کی گرم بازاری تھی - لیکن دین کا خیال بھی ان کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا تھا ، اور وہ عیش و عشرت اور راگ رنگ کے باوجود بارگاہ خداوندی میں سربسجود رہتے تھے - پھر رعایا سے بھی انھیں دلی وابستگی تھی ، اور رعایا بھی ان کے ساتھ ہر حال میں شریک رہتی تھی :

ہوا وہ جو اس شکل سے دلپذیر
رکھا نام اس کا شہ بے نظیر

خواصوں نے خواجہ سراؤں نے جا
کئی نذریں گذرانیاں اور کہا

مبارک تجھے اے شہ نیک بخت
کہ پیدا ہوا وارث تاج و تخت

سکندر نژاد اور دارا حشم
فلک مرتبت اور عطارد رقم

رہے اس کے اقلیم زیر نگین
غلامی کریں اس کی خاقان چین

یہ سنتے ہی مژدہ بچھا جا نماز
کیے لاکھ سجدے کہ اے بے نیاز

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو تجھ سے مایوس امیدوار

دوگانہ غرض شکر کا کر ادا
تہیہ کیا شاہ نے جشن کا

وہ نذریں خواصوں کی خوجوں کے لے
انھیں خلعت و زر کا انعام دے

کہا جاؤ جو کچھ کہ درکار ہو
کہو خانساماں سے تیار ہو

نقیبوں کو بلوا کے یہ کہہ دیا
کہ نقار خانے میں دو حکم جا

کہ نوبت خوشی کی بجاویں تمام
خبر سن کے یہ شاد ہوں خاص و عام

یہ مژدہ جو پہنچا تو نقارچی
لگا ہر جگہ بادلہ اور زری

بنا ٹھاٹھ نقار خانے کا سب
مہیا کر اسباب عیش و طرب

غلاف ان پہ نایاب پر زر کے ٹانک
شتابی سے نقاروں کو سنیک سانک

دیا چوب کو پہلے ہم سے ملا
لگی پھیلنے ہر طرف کو صدا

کہا زیر نے بم سے بھر شگوں
کہ دوں دوں خوشی کی خبر کیوں نہ دوں

بجے شادیانے جو واں اس گھڑی
ہوئی گرد و پیش آکے خلقت کھڑی

غرض بادشاہ اور رعایا مسرتوں میں برابر کے شریک تھے ، اور اس کا اظہار کچھ اس طرح ہوتا تھا :

خوشی کی زبس ہر طرف تھی بساط
لگے ناچنے اس پہ اہل نشاط

کناری کے جوڑے چمکتے ہوئے
وہ پاؤں کے گھنگھرو چھنکتے ہوئے

وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں
پھڑکنا وہ نتھنے کا ہر آن میں

وہ گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ
دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ

کبھی دل کو پاؤں سے مل ڈالنا
نظر سے کبھی دیکھنا بھالنا

دکھانا کبھی اپنی چھب مسکرا
کبھی اپنی انگیا کو لینا چھپا

کسی کے چمکتے ہوئے نو رتن
کسی کے وہ مکھڑے پہ نتھ کی پھبن

وہ دانتوں کی مسی وہ گل برگ تر
شفق میں عیاں جیسے شام و سحر

وہ گری کا چہرہ کہ جوں آفتاب
جسے دیکھ کر دل کو ہوا اضطراب

چکمنا گلوں کا صفا کے سبب
وہ گردن کے ڈورے قیامت غضب

کبھی منہ کے تئیں پھیر لینا ادھر
کبھی چوری چوری سے کرنا نظر

لیکن اس عیش و عشرت کے ماحول کے ساتھ ساتھ علم و فضل کے بھی چرچے تھے ، اور زندگی کے ہر شعبے میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ باکمال تھا :

کروں علم اس کا کہاں تک بیاں
کہ ہے خوب اب مختصر یہ بیاں

کہاں کے جو در پے ہوا بے نظیر
لیا کھینچ چلے میں سب فن تیر

صفائی میں سو فار پیکاں کیا
گیا جب کہ تو وہ یہ طوفان کیا

رکھا چھوٹتے ہی جو لکڑی پہ سن
کیا اپنے قبضے میں سب اس کا فن

ہوئیں دست و بازو کی سرسائیاں
اڑائی گئیں ہاتھ میں گھائیاں

رکھا موسیقی پر جو کچھ کچھ خیال
کیے قید سب اس نے ہاتھوں میں تال

طبعیت گئی کچھ جو تصویر پر
رکھے رنگ شب اس کے مد نظر

کئی دن میں سیکھا یہ کسب تفنگ
کہ حیران ہوئے دیکھ اہل فرنگ

سوا ان کمالوں کے کتنے کمال
مروت کی خو آدمیت کی چال

اور آرائش و زیبائش کی یہ کیفیت تھی :

خواصوں نے گھر کو دیا انتظام
تمامی کے پردے لگائے تمام

بچھا فرش اور کر چھپر کھٹ کو صاف
مرصع کا اس پر اڑھا کر غلاف

وہ نرگس کے دستے جو آفاق میں
نہ نکلیں سو لا کر چنے طاق میں

ولایت کے میوے دھرے ہر طرف
کہ لے جاوے بو ان کی گل پر شرف

دھرے لخلخے خاص ایوان میں
ہوا ہوگئی عطر دالان میں

دھریں کشتیاں اک طرف بے شمار
چنی اک طرف ڈالیوں کی قطار

اچار اور مربے دھرے خوش نما
وہ باہر کے دالان میں جا سجا

چھپر کھٹ کے پاس ایک مسند بچھا
اور اس پر تمامی کے تکیے لگا

چنگیریں بنا اور رکھ پاندان
قرینے سے اس میں رکھے ہار پان

کئی عطر داں واں مرصع دھرے
انوکھی گھڑت کے کئی چوکھڑے

سرھانے مجلا دھری اک کتاب
ظہوری نظیری کا کل انتخاب

دھری اک بیاض اور رشک چمن
پر از شعر سودا و میر و حسن

کیا نامہ یوں ایک اس کو رقم
کہ اے شاہ شاہاں واے فخرِ جم

فریدوں مثال و سکندر نژاد
مرادِ جہان و جہانِ مراد

جہان شجاعت زمان کرم
دل رستم گرد حاتم ہمم

میں وارد ہوں یاں ایک مہماں غریب
لے آئے ہیں مجھ کو مرے یاں نصیب

نوازش سے اپنی کرم کیجیے
غلامی میں اپنی مجھے لیجیے

ہمیشہ سے ہے راہ و رسم جہاں
کہ وابستہ یوں ہی ہے کار جہاں

جہاں پر ہے روشن کہ میں ماہ ہوں
ملک زادہ ابن ملک شاہ ہوں

ہر اک مجھ سے واقف ہے برنا و پیر
کہ ہے نام میرا شہ بے نظیر

اس معاشرے میں رہنے والے بڑے ہی روایت پسند اور دین دار تھے، اور ہر کام خدا اور رسولؐ کا نام لے کر کرتے تھے۔

لکھا نامہ اس کے وہیں در جواب
کہ عاقل کو نکتہ لگے ہے کتاب

لکھا بعد حمد ثنائے خدا
پس از نعت احمد شہ انبیا

کہ نامہ تمھارا جو سربستہ تھا
وہ راز نہاں اپنے ہاتھوں کھلا

شریعت کے عالم میں مجبور ہیں
نہیں اپنے نزدیک ہم دور ہیں

اگر ہم کبھی اپنے دعوے پہ آئیں
تمھارے فلک کو نہ خاطر میں لائیں

ابھی گھر سے نکلے ہو لڑکوں کے طور
نہیں نیک و بد پر تمھیں اپنے غور

کسی پاس دولت یہ رہتی نہیں
سدا ناؤ کاغذ کی بہتی نہیں

ولے کیا کریں رسم دنیا ہے یہ
وگرنہ گھمنڈ آپ کا کیا ہے یہ

بس ہم کو ہے پاس شرع رسولؐ
سو اس واسطے کرتے ہیں ہم قبول

لیکن اس سے زندگی کو دھوم دھام سے بسر کرنے میں کمی نہیں آتی تھی۔ شادیاں ہوتی تھیں تو رقص اور موسیقی کا بازار کچھ اس طرح سے گرم ہوتا تھا کہ ساری فضا مسرتوں میں ڈوب جاتی تھی:

بڑی خواہشوں سے جب آیا وہ روز
چڑھا بیاہنے وہ مہ دل فروز

محل سے نکل جب ہوا وہ سوار
بجے شادیانے بہم ایک بار

کروں اس تخیل کا کیونکر بیاں
کہ باہر ہے تقریر سے وہ سماں

وہ دولھا کے اٹھتے ہی اک غل پڑا
لگا دیکھنے اٹھ کے چھوٹا بڑا

کوئی دوڑ گھوڑوں کو لانے لگا
کوئی ہاتھیوں کو بٹھانے لگا

لگا کوئی کہنے ادھر آئیو
ارے رتھ شتابی مری لائیو

وہ شہنائیوں کی سہانی دھنیں
جنھیں گوش زہرہ مفصل سنیں

ہزاروں تمامی کے تخت رواں
اور اہل نشاط ان پہ جلوہ کناں

وہ طبلوں کا بجنا اور ان کی صدا
وہ گانا کہ اچھا بنا لاڈلا

وہ نوشہ کا گھوڑے پہ ہونا سوار
وہ موتی کا سہرا جواہر نگار

وہ دولھا کا مسند پہ جا بیٹھنا
برابر رفیقوں کا آ بیٹھنا

طوائف کا اٹھنا اک انداز سے
دکھانا وہ آ صورتیں ناز سے

کروں راگ اور ناچ کا کیا بیاں
قدیمی کسی وقت کا سا سماں

وہ ارباب عشرت کا آپس میں مل
جمانا گھرک راگ کا دے کے دل

وہ ایمن کی تانیں ادھر اور ادھر
ملے سر طنبوروں کے با یک دگر

اور اس صف سے اک چھوکری کا نکل
جتانا ہنر اپنا پہلے پہل

الٹنا دوپٹے کا دے دے کے تال
وہ بوٹا سا قد اور کھہر دے کی چال

غرض میر حسن نے کہیں اشاروں اور کنایوں اور کہیں تفصیل و جزئیات کے رنگوں کو استعمال کر کے اس زمانے کی معاشرت اور تہذیب کی کچھ ایسی تصویریں بنائی ہیں جو حد درجہ دل موہ لینے والی ہیں۔ ان تصویروں میں اس زمانے کی معاشرت اور تہذیب کا رنگ پوری طرح نمایاں ہے۔ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں شہروں کی کیا کیفیت تھی۔ ان کا ماحول کس قسم کا تھا؟ وہاں کیسے لوگ رہتے تھے؟ بادشاہوں کے رہن سہن کیا تھے؟ ان کی زندگی کے مسائل کیا تھے؟ ان پر غم اور مسرت کا کیا اثر ہوتا تھا؟ وہ کس طرح رنگ رلیاں مناتے تھے؟ ان کے بچوں کی زندگی کون کون سی منزلوں سے دوچار ہوتی تھی؟ وہ تعلیم کس طرح حاصل کرتے تھے؟ کون کون سے ہنر سیکھتے تھے؟

ان کی جذباتی زندگی کا کیا عالم تھا ؟ وہ محبت کس طرح کرتے تھے اور اس سفر میں ان کو کن کن صحراؤں کی خاک چھاننی پڑتی تھی ؟ ان کی زندگی میں عیش و عشرت کا کیا عالم تھا ؟ وہ کن چیزوں سے مسرت حاصل کرتے تھے ؟ مذہب کی ان کی زندگی میں کیا حیثیت تھی اور وہ شرع کے کس حد تک پابند تھے ؟ آداب و رسوم کی ان کے یہاں کتنی اہمیت تھی اور ان کا خیال کس طرح ہر حال میں ان کے پیش نظر رہتا تھا ۔ عوام کی حالت کیا تھی اور وہ اس زندگی کے مختلف اور متنوع پہلوؤں میں کس طرح دلچسپی لیتے تھے ؟

سحرالبیان میں ان تمام باتوں کی تفصیل موجود ہے اور اس تفصیل کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اس زمانے کی معاشرتی اور تہذیبی زندگی کے مختلف اور متنوع پہلوؤں کی ہوبہو کیفیت آنکھوں کے سامنے بے نقاب ہو جاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پڑھنے والا خود ان کے درمیان موجود ہے ۔

(۹)

اور اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اس مثنوی میں زندگی کے حقائق اور فن کے جمالیاتی پہلوؤں کا نہایت ہی حسین اور دلاویز امتزاج موجود ہے ۔ یہ مثنوی لکھنؤ کے فنی اور جمالیاتی ماحول میں تخلیق ہوئی لیکن اس کو تخلیق کرنے والا ایک ایسا شخص ہے جس کی شخصیت کی نشو و نما دھلی کے فنی اور جمالیاتی ماحول میں ہوئی ہے ۔ اس لیے اس میں لکھنؤ اور دھلی دونوں کے مخصوص فنی اور جمالیاتی اقدار کا امتزاج ملتا ہے ۔ اس میں سارا کھیل خارجی حالات کے بیان کا ہے لیکن اس بیان میں ایسی تفصیل و جزئیات کو پیش کیا گیا ہے جس تک رسائی صرف احساس کی شدت ، جذبے کی گہرائی اور تخیل کی بلندی ہی کے سہارے ہو سکتی ہے ۔ میر حسن کو یہ تمام چیزیں ورثے میں ملی ہیں اور ان سب نے مل کر ان کے بیانات میں ایک حسیاتی رنگ و آہنگ پیدا کر دیا ہے ۔ اسی لیے ان کے مختلف بیانات جان‌دار اور زندگی سے بھرپور آتے ہیں اور ان میں

صرف قادر الکلامی ہی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ان میں تجربے کا لہو دوڑتا ہوا دکھائی دیتا ہے - یہی وجہ ہے کہ اس مثنوی میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی جو تفصیل و جزئیات انھوں نے پیش کی ہے اس میں شاعرانہ حسن کا کمال نظر آتا ہے - زندگی کے خارجی پہلوؤں کو شاعرانہ حسن کے ساتھ ہم آہنگ کر کے پیش کرنے میں یقیناً میر حسن اپنا جواب نہیں رکھتے لیکن داخلی اور جذباتی پہلوؤں کو بھی انھوں نے شاعری کے سانچے میں ڈھالا ہے اور اس اعتبار سے سحرالبیان یقیناً ایک منفرد مثنوی ہے کہ اس میں خارجیت اور داخلیت کا حسین امتزاج ملتا ہے - بلکہ بعض جگہ تو اس مثنوی میں اچھی خاصی غنائی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے - مناسب الفاظ اور متناسب زبان کا استعمال بھی اس میں خاصے کی چیز ہے - اس زبان کے فن کارانہ استعمال سے میر حسن نے اس مثنوی میں ایسے رنگ بکھیرے ہیں کہ ان کے بیانات میں ایک مصورانہ شان پیدا ہو گئی ہے - پوری مثنوی اس قسم کے بیانات سے بھری پڑی ہے -

خوشی کی زبس ہر طرف تھی بساط
لگے ناچنے اس پہ اہل نشاط

کناری کے جوڑے چمکتے ہوئے
وہ پاؤں کے گھنگرو چھنکتے ہوئے

وہ بالے چمکتے ہوئے کان میں
پھڑکنا وہ نتھنے کا ہر آن میں

وہ گھٹنا وہ بڑھنا اداؤں کے ساتھ
دکھانا وہ رکھ رکھ کے چھاتی پہ ہاتھ

کبھی دل کو پاؤں سے مل ڈالنا
نظر سے کبھی دیکھا بھالنا

دکھانا کبھی اپنی چھب مسکرا
کبھی اپنی انگیا کو لینا چھپا

نہانے میں یوں تھی بدن کی دمک
برسنے میں بجلی کی جیسے چمک

لبوں پر جو پانی پڑا سر بسر
نظر آئے جتنے وہ گل برگ تر

ہوا قطرۂ آب یوں چشم پوش
کہے تو پڑے جیسے نرگس پہ اوس

لگا ہونے ظاہر جو اعجاز حسن
ٹپکنے لگا اس سے انداز حسن

گیا حوض میں جو شہ بے نظیر
پڑا آب میں عکس ماہِ منیر

وہ گورا بدن اور بال اس کے تر
کہے تو کہ ساون کی شام و سحر

کوئی رکھ کے زیر زنخداں چھڑی
رہی نرگس آ سا کھڑی کی کھڑی

رہی کوئی انگلی کو دانتوں میں داب
کسی نے کہا گھر ہوا یہ خراب

کسی نے دیے کھول سنبل سے بال
طمانچوں سے جوں گل کیے سرخ گال

وہ بیٹھی عجب ایک انداز سے
بدن کو چرائے ہوئے ناز سے

منہ آنچل سے اپنا چھپائے ہوئے
لجائے ہوئے شرم کھائے ہوئے

پسینا پسینا ہوا سب بدن
کہ جوں شبنم آلودہ ہو یاسمن

وہ مکھڑے کا عالم وہ کنگھی کا رنگ
شب ماہ ہو دیکھ کر جس کو دنگ

وہ مستی وہ اس کے لب لعل فام
سوادِ دیار بدخشاں کی شام

وہ آنکھوں کا عالم وہ کاجل غضب
کہے تو پڑی نرگستان میں شب

ستم تس پہ مسی کی تحریر سی
کھینچی ہاتھ کافر کے شمشیر سی

کرے حسن کو کس طرح کوئی ماند
چھپے ہے کہیں خاک ڈالے سے چاند

چھپانے کو سوانگ اس نے جو جو کیے
غرض حسن نے اور جلوے دیے

وہ موتی کی سیلی وہ تن کی دمک
شب تیرہ میں کہکشانِ فلک

ان اقتباسات میں بہ ظاہر تو تشبیہ اور استعارے کا حسن سب سے پہلے دکھائی دیتا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ حسن سحرالبیان میں بدرجہ اتم موجود ہے - لیکن ان تشبیہات و استعارات کو صرف آرائش اور زیبائش کے خیال ہی نے پیدا نہیں کیا ہے - ان کی بنیاد تو گہرے تجربے کے صحیح ابلاغ پر استوار ہے - اسی لیے ان کی حیثیت زیور اور سامان آرائش کی نہیں ہے - ان کے پیچھے تو شاعر کے احساس اور جذبے کا ہاتھ پوری طرح کارفرما نظر آتا ہے اور تخیل اپنے معراج کمال پر دکھائی دیتا ہے - لیکن ان میں بعض بیانات ایسے بھی ہیں جہاں میر حسن تشبیہات و استعارات کو مطلق استعمال نہیں کرتے - صرف مشاہدے کی کیفیت کو سیدھے سادے الفاظ میں اس طرح پیش کر دیتے ہیں کہ مختلف مناظر کی حالت اور مختلف جذبات کی کیفیت ابھری ہوئی شکل میں سامنے آ جاتی ہے - اس کی بنیاد مشاہدے کی تیزی اور زندگی کے حقائق کا صحیح احساس ہے - یہ احساس انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اس طرح مجسم کر دیتا ہے کہ اس کی بڑی جان دار اور زندگی سے بھرپور تصویر نہ صرف دکھائی دیتی ہے بلکہ پورے حواس پر چھا جاتی ہے - اس اعتبار سے دیکھا جائے تو میر حسن نے سحرالبیان میں شاعرانہ مصوری کو معراج کمال پر پہنچا دیا ہے -

غرض مثنوی سحرالبیان بڑی ہی خوبصورت نظم ہے اور اردو نظم کی روایت میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے - مشکل یہ ہے کہ لوگوں نے اب تک اس کو صرف ایک مثنوی ہی تصور کیا ہے اور ان اصولوں کی روشنی میں اس کا مطالعہ کیا جو مولانا حالی نے پیش کیے تھے - اس

میں شبہ نہیں کہ ان اصولوں کے معیار پر بھی سحرالبیان پوری اترتی ہے ، لیکن اس کو نظم نگاری کی اس روایت کی روشنی میں بھی دیکھنا چاہیے جس نے اردو شاعری کو اپنی انتہائی بلندیوں سے ہمکنار کیا ہے -

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ ایک نہایت ہی مربوط ، دلچسپ ، شگفتہ و شاداب ، اعلیٰ انسانی جذبات سے بھرپور ، زندگی سے لبریز ، انسانی اقدار کی حامل ایک ایسی نظم ہے جس کو دنیا کی اعلیٰ سے اعلیٰ منظومات کی صف میں شامل کیا جا سکتا ہے - بڑی بات یہ ہے کہ یہ صرف ایک بیانیہ نظم ہی نہیں ہے جس میں صرف تفصیل و جزئیات پیش کی جاتی ہیں - یہ تو ایک ایسی نظم ہے جس کو حسیاتی یا حواس کی شاعری کی صف میں شمار کیا جا سکتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نظم اردو میں حواس کی شاعری کا بہترین نمونہ ہے -

یہ اور بات ہے کہ اس میں جذباتی اور داخلی شاعری کے بھی بہت اچھے نمونے ملتے ہیں - میر حسن کا کمال ہی یہی ہے کہ انھوں نے اپنی اس نظم میں خارجی اور داخلی ، جذباتی اور حواس کی شاعری کا ایسا سنگم بنایا ہے جو انسانی زندگی سے ان کی گہری دلچسپی کی نشان دہی کرتا ہے ، اور ایمان کی بات یہ ہے کہ اس نظم کی بڑائی کا راز اسی صورت حال میں ہے -

سحرالبیان زندگی ، تہذیب ، معاشرت ، انسانی جذبات اور انسانی زندگی کی اعلیٰ اور ارفع اقدار کا ایک نہایت ہی حسین مرقع ہے - اس میں انسان کے نشیب و فراز کو انسانی زاویۂ نظر سے جس طرح رچے ہوئے فن‌کارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے ، اس کو دیکھ کر میر حسن کے ان خیالات سے اتفاق کرنا ہوتا ہے کہ یہ مثنوی واقعی سحرالبیان ہے - اس میں انھوں نے صحیح معنوں میں سخن کا دریا بہا دیا ہے - اس کے الفاظ موتیوں سے کسی طرح کم نہیں - اس میں ایک نئی طرز اور ایک نئی آن بان ہے اور یہ مثنوی مثنوی نہیں بلکہ واقعی ایک پھلجھڑی ہے -

ڈاکٹر عبادت بریلوی
کی
تصانیف

۱ - تنقیدی زاویے
۲ - اردو تنقید کا ارتقا
۳ - روایت کی اہمیت
۴ - غزل اور مطالعۂ غزل
۵ - تنقیدی تجربے
۶ - مومن اور مطالعۂ مومن
۷ - جدید شاعری
۸ - کلیات میر
۹ - شاعری اور شاعری کی تنقید
۱۰ - غالب کا فن
۱۱ - غالب اور مطالعۂ غالب
۱۲ - میر تقی میر
۱۳ - اقبال کی اردو نثر
۱۴ - دیوان مبتلا
۱۵ - شکنتلا : مرزا کاظم علی جوان
۱۶ - ہفت گلشن : مظہر علی خاں
۱۷ - مختصر کہانیاں : حیدری
۱۸ - گلزار دانش : حیدری
۱۹ - دیوان حیدری
۲۰ - مراثی جرأت
۲۱ - گلزار چین : خلیل علی خاں اشک
۲۲ - رسالۂ کائنات : خلیل علی خاں اشک
۲۳ - خطبات عبدالحق
۲۴ - مقدمات عبدالحق
۲۵ - پاکستان کے تہذیبی مسائل
۲۶ - رہ نوردان شوق (خاکے)
۲۷ - آوارگان عشق (خاکے)
۲۸ - تنقید اور اصول تنقید (زیر طبع)
۲۹ - ادب اور ادبی قدریں "
۳۰ - افسانہ اور افسانے کی تنقید "
۳۱ - شکوہ فرنگ : مرزا حجو شرف
۳۲ - ارض پاک سے دیار فرنگ تک (رپورتاژ)
۳۳ - جشن صد سالہ اورینٹل کالج لاہور "
۳۴ - جشن اقبالؒ نئی دہلی "
۳۵ - لندن کی ڈائری (چار جلدیں) (زیر طبع)
۳۶ - اقبالؒ — احوال و افکار

ڈاکٹر عبادت بریلوی
کی
نئی کتابیں

مرقع مخلص :

رائے آنند رام مخلص کی غیر مطبوعہ بیاض جس میں سراج الدین علی خاں آرزو ، شیخ علی حزیں، قزلباش خاں اُمید اور دوسرے عالموں ، ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں کے عکس شامل ہیں - مفصل مقدمے کے ساتھ !

ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی نظمیں (انگریزی) :

فورٹ ولیم کالج میں اردو کے پہلے پروفیسر ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی غیر مطبوعہ انگریزی نظمیں جن سے اُن کی شخصیت اور ادبی مزاج کا علم ہوتا ہے - مفصل مقدمے کے ساتھ !

گلزار دانش :

سید حیدر بخش حیدری دہلوی کی نادر و نایاب کتاب جس کے بارے میں ادبی مؤرخوں کا خیال تھا کہ یہ کتاب ضائع ہو گئی - اس کا نسخہ ڈاکٹر عبادت کو کوپن ہیگن ڈنمارک کے شاہی کتب خانے میں ملا - ...ل مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی ہے -

...ٔ عشق :

حکیم الٰہی بخش شوق اکبر آبادی کی کتاب جو ۱۸۰۲ء میں آگرے میں لکھی گئی اور جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فورٹ ولیم کالج سے قبل شمالی ہندوستان میں بھی اردو کی سادہ اور آسان نثر کی روایت موجود تھی -

نقلیات :

ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے یہ کام فورٹ ولیم کالج میں کیا تھا - ڈاکٹر عبادت کو لندن میں اس کی دونوں جلدیں مل گئیں - مفصل مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی ہے -